اپریل ۸۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

• قافلۂ تنظیم منزل بہ منزل

اشاعتِ خصوصی بموقع سالانہ اجتماع تنظیمِ اسلامی

مرتب

(شیخ) جمیل الرحمٰن

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

حدیثِ رسولؐ

وَعَنْ

عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ

قَالَ: بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ

فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ

وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا

وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ

مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ،

وَعَلَى أَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ

لَوْمَةَ لَائِمٍ (بخاری ومسلم)

مفہوم: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ:

ہم ہر حالت میں اللہ اور رسول اور اُن لوگوں کی جن کو امیر مقرر کیا گیا ہو بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ خواہ تنگی کی حالت ہو یا فراخی کی اور خوشی کی حالت میں بھی اور ناپسندیدگی کی حالت میں بھی اور اُس صورت میں بھی جب کہ دوسروں کو ہمارے مقابلے میں ترجیح دی گئی ہو۔ امیر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ سوائے اس کے کہ امیر سے کھلا ہوا کفر سرزد ہو۔ اُس وقت ہمارے پاس دلیل ہو گی کہ ہم اُس کی بات نہ مانیں اور جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے۔ اللہ کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

ایس ایل شیر سٹور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد	۳۷
شمارہ	۴
شعبان المعظم	۱۴۰۸ھ
اپریل	۱۹۸۸ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زرِ تعاون	-/۵۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

اقتدار احمد

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال یا -/۱۵۰ روپے پاکستانی

ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔	۶ - امریکی ڈالر یا -/۱۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹ - امریکی ڈالر یا -/۱۵۰ 〃 〃
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲ - امریکی ڈالر یا -/۲۰۰ 〃 〃

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۴ (پاکستان)، لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۴ فون: ۸۵۲۶۸۳، ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلیشرز: لطف الرحمٰن خان مقام اشاعت: ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور

مشمولات

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن ـــــــ ۳
مولانا سید حامد میاںؒ کی رحلت ، ایک دیا اور بجھا

ڈاکٹر اسرار احمد
عرض احوال ـــــــ ۵

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ ـــــــ اقتدار احمد
(مولانا حامد میاں) ادارہ

قافلۂ تنظیم منزل بمنزل ـــــــ ۱۷
جمیل الرحمٰن

تنظیم اسلامی کے تاسیسی اجتماع کی مختصر روداد ـــــــ ۲۵
ـــ قرارداد تاسیس اور اس کی توضیحات کی منظوری
ـــ داعئ عمومی کے آخری خطاب کے اہم نکات

ایک وضاحت ـــــــ ۴۴

پہلے سالانہ اجتماع کی روداد کا خلاصہ ـــــــ ۴۵

چند بنیادی و انقلابی فیصلے ـــــــ ۶۵
بموقع مشترک سالانہ اجتماع برائے سال دوم و سوم

شرائطِ شمولیت ـــــــ ۸۹

عہد نامۂ رفاقت تنظیم اسلامی ـــــــ ۱۰۴

مرکزی مجلس مشاورت کی روداد ـــــــ ۱۰۷
بسلسلہ تشکیلِ قواعد و ضوابط و تدوین نظام العمل
مرتب : چوہدری غلام محمد

مولانا سید حامد میاںؒ ـــــــ ۱۲۹
جذبۂ جہاد سے سرشار ایک عظیم دینی رہنما
محمد سعید الرحمٰن علوی

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

مولانا سیّد حامد میاںؒ کی رحلت

ایک روشن خیال اور وسیع النظر عالم دین کے فیوض سے ملک و ملّت کی محرومی کے اعتبار سے "مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ" کی مظہر اتم تو ہے ہی — واقعہ یہ ہے کہ راقم الحروف کے لئے ایک عظیم ذاتی صدمے کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے کہ جماعت شیخ الہندؒ کے باقیات الصالحات کے حلقے میں راقم کے دردِ دل کا آشنا، اور اس کے ساتھ ذاتی محبت و شفقت ہی نہیں باضابطہ سرپرستی اور تعاون فرمانے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، اور اگرچہ اس معاملے میں بھی تاریخ نے اپنے آپ کو پوری طرح دہرایا ہے کہ جیسے حضرت شیخ الہندؒ کی مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ شفقت و عنایت کی روش کو ان کے تلامذہ اور مسترشدین نے دل سے قبول نہیں کیا تھا، اسی طرح مولانا مرحوم کے شاگردوں اور معتقدین کا حلقہ بھی راقم سے اجنبیّت محسوس کرتا ہے — تاہم ذاتی طور پر مولانا نے مختلف مواقع پر جس طرح راقم کی جانب سے مدافعت کا حق ادا فرمایا اس کے بارِ احسان سے راقم کبھی سبکدوش نہ ہو سکے گا — یہی وجہ ہے کہ بعض واقفِ حال احباب نے مولانا کی رحلت پر ذاتی طور پر راقم کو تعزیت کا حقدار سمجھا، جس کے جواب میں راقم نے یہ شعر پیش کیا ؎

يُعَزُّوْنَ عَنْكَ وَاَيْنَ الْعَزَاءُ وَلٰكِنَّهٗ عَمَلٌ مُسْتَحَبٌ !!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولاناؒ کے صدقات جاریہ، یعنی جامعہ مدنیہ اور ان کی اولاد صالح خصوصاً عزیزان رشید میاں اور محمود میاں سلمہما کو ان کے فیوض و برکات کو تا دیر جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے — اور راقم الحروف اور اس کے رفقاء کو بھی "لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ" کے زمرے میں شامل فرمائے۔ آمین!

اِک دیا اور بجھا

عجیب اتفاق ہے کہ یہ سطور پہ دِقلم ہوئی ہی تھیں کہ فون پر سردار محمد اجمل خاں لغاری کے انتقال پُرملال کی خبر ملی۔ اور اس سے بھی عجیب تر اتفاق ہے کہ جب راقم یہ افسوسناک اطلاع رفیق مکرّم شیخ

جمیل الرحمٰن صاحب کو پہنچانے گیا تو وہ بھی اپنی اسی شمارے میں شامل تحریر کے اُن الفاظ کو قلمبند کر کے فارغ ہوئے ہی تھے جن میں ۱۹۶۷ء کی 'قرار دادِ رحیم یار خاں' کے ضمن میں سردار صاحب مرحوم و مغفور کا تذکرہ تھا۔ سردار صاحب کا بھی بہت سے اختلافات کے باوجود آخری وقت تک راقم الحروف کے ساتھ جو تعلقِ خاطر قائم رہا اُس کی بنا پر ان کی رحلت بھی راقم کو ایک ذاتی نقصان محسوس ہو رہی ہے۔ ــــ لیکن ظاہر ہے کہ اس معاملے میں صبر کے سوا کیا چارہ ہے! اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ان کی اولاد بالخصوص عزیزان نور محمد خاں لغاری اور محمد حمید خاں لغاری سلمہما کو اپنے والد ماجد کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسرار احمد، ۲۸ مارچ ۱۹۸۸ء

اِن شاء اللہ العزیز

اس سال ماہِ رمضان المبارک کے دوران

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی (۳۶ کے ماڈل ٹاؤن) لاہور میں

دورۂ ترجمۂ قرآنِ حکیم

کے روح پرور پروگرام میں

امیرِ تنظیمِ اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد**

نمازِ تراویح کے ساتھ ترجمۂ قرآن بیان فرمائیں گے

ع لذتِ ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

اقتدار احمد

عرضِ احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے قارئین' برادرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے سامعین اور خود تنظیم اسلامی کے بعض رفقاء کے ذہن میں بارہا یہ سوال اٹھا ہے کہ ہمارے ہاں جماعت اسلامی کا ذکر اس کثرت سے کیوں آتا ہے اور پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ جب بھی یہ ذکر چھڑے 'بات تلخی 'تاسف بلکہ حسرت تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے معدودے چند ہی ایسے ہیں جو خود بھی کسی نہ کسی طور جماعت کے اس قافلے سے منسلک رہے جو ایک زمانے میں اپنی منزل مقصود کی طرف رواں تھا' ان میں سے بھی صرف وہ ہمارے درد آشنا اور ہمارے کرب کے شناسا ہیں 'نشانِ منزل اب تک جن کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا' بھُولے ہوئے مقصد کی طلب اب بھی جنہیں تڑپاتی ہے۔ انہیں یاد ہے سب ذرا ذرا کہ یہ قافلہ آہستہ خرامی کے ساتھ سہی' چل اسی راستے پر رہا تھا جو تکبیر رب کی جانب جاتا ہے۔ اب وہ قافلے والوں کو دائیں' بائیں یا معکوس سمت میں زقندیں بھرتے دیکھتے ہیں تو..... شائقین کو بہت بھلا لگنے والا یہ "پی۔ٹی شو" ' یہ دلچسپ تماشا..... ان کے لئے تفریح نہیں سوہانِ روح بنتا ہے۔ ایسے میں وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکیں تو تعجب کی کیا بات ہے۔ دل ہی تو ہے' نہ سنگ و خشت.........

ہاں ان لوگوں کی بات الگ ہے' قفسِ عافیت کے گوشے میں انہیں آرام بہت ہے' جو اگرچہ ماضی میں مقصد کی اسی لگن 'اسی جنوں کے اسیر اور اسی بے چینی کا شکار تھے لیکن اب عقل کے ناخن لے چکے ہیں۔ پہلے سیلابِ بلا میں گردن تک پھنسے ہوئے اس کا رخ موڑنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے تھے' اب کنارے بیٹھ کر لہریں گنتے ہیں۔ ان کی گنتی بہت قاعدے قرینے کی' غیر جذباتی اور معروضی ہے۔ ان کے تبصرے ہلکے پھلکے ہیں' ان کے دلوں کے تار مروت و رواداری کی مدھر تانیں نکالتے ہیں' ان کے دہن سے شیریں نغمے ابلتے ہیں۔ ان کا درد منت کش دوا ہوئے بغیر کافور ہو گیا ہے۔ اب تو آرام سے گذرتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے' انہی دنوں' جمعے کے ایک خطبہ میں اسلامی جمعیت طلبہ کے خاک و خون

میں غلطاں ہو جانے والے نوجوانوں کی شہادت پر جب گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ جان ہارنے والے تو اپنی نیت کے مطابق اجر کی مراد انشاءاللہ ضرور پائیں گے تاہم منکرات کے خلاف جہاد میں بہایا جانے والا خون رائیگاں جا رہا ہے' یہ جماعت اسلامی کے سیاسی کھیل کو رنگین بنانے سے بڑھ کر کوئی نتیجہ بر آمد نہیں کر رہا' کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو دین کے لئے انقلابی جدوجہد کے سنگ ہائے میل میں سے ہے' ووٹوں کی سیاست کا حصہ نہیں۔ اور مشورہ دیا کہ جمعیت کو جماعت کے گھڑے کی مچھلی بن جانے کی بجائے ان لوگوں سے بھی ربط و تعلق رکھنا چاہئے جو دین کا وہی انقلابی تصور پیش کر رہے ہیں جس کی قبل از وقت' غیر منظم اور نیم پختہ جھلکیاں ان نوجوانوں کی سرگرمیوں سے ملتی رہتی ہیں تو ساتھ ہی گلہ بھی کیا کہ جمعیت کی بعد کی نسلیں ان کے بھی قریب نہیں پھٹکتیں جب کہ طلبہ کی اس تنظیم کا انتہائی فعال دور وہ تھا جب وہ خود پنجاب کے ناظم اور پھر پورے پاکستان کے ناظم اعلیٰ تھے۔ ان کے لکھے ہوئے کتابچے آج بھی جمعیت کے بنیادی لٹریچر کا حصہ ہیں اور انہوں نے اپنا قابلِ رشک تعلیمی کیریئر اور بے فکری کے دن اس پہ نچھاور کئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے شدتِ جذبات میں جب یہ شعر پڑھا کہ ؎

یہ اور بات کہ تجھ پر نثار کر بیٹھے
عزیز اپنی جوانی کسے نہیں ہوتی

تو دل میں اک ہوک سی اٹھی کہ ان کے سامعین میں اس درد نہانی کے راز داں ہیں کتنے ان معنوں میں تو یہاں "نادانوں" کا مجمع ہے اور ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اپنی بات چھیڑنے سے پہلے عرض کر دوں کہ میں کسی شمار قطار میں نہیں' زندگی کا بہترین حصہ مطالباتِ دین سے بے نیازی اور دنیا کمانے میں کھپائے بیٹھا ہوں۔ اور یہ اقرارِ جرم کر کے ہزاروں کو اپنی تہی دامنی کا گواہ بھی بنا رہا ہوں لیکن اپنا لڑکپن میں نے بھی جماعت اسلامی کے اس قافلے میں لڑھکتے گذارا ہے جو اگرچہ رخ بدل چکا تھا لیکن نشاناتِ راہ ابھی اتنی دور نہ ہوئے تھے کہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ خطِ مستقیم سے کوئی لکیر جدا ہوتی ہے تو دونوں کا

درمیانی فاصلہ بڑھتے بڑھتے ہی بڑھتا ہے' عمارت کی عظمت کے نشانات باقی تھے..... ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے تھے..... اپنی آنکھوں سے جماعت کے ان اراکین کو دیکھا ہے' جن کے قرب میں خیر القرون کے سائے کی ٹھنڈک اور جن کے جذبوں میں جوشِ جہاد کی دہکتی آگ تھی۔ میں نے اپنے شہر منٹگمری..... جواب ساہیوال ہے اور میرے لئے اجنبی..... کا کوئی کھمبا نہ چھوڑا جسے ان چار پانچ انچ چوڑی اور لگ بھگ بارہ انچ لمبی کاغذی پٹیوں سے نہ لپیٹ دیا ہو جن پر لکھا تھا "امیدواری حرام ہے" اور "پارٹی ٹکٹ لعنت ہے" ..... وغیرہ۔ سائیکل کے ہینڈل پر دونوں طرف "لئی" کی چھوٹی بالٹیاں ہوتیں جو بہنیں گھر کے آٹے کو ململ سے چھان کر پکا دیتی تھیں۔ کیریئر پر اشتہارات کے بنڈل اور شہر کی دیواریں جنہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میں بھی کاغذی پیرہن پہنا دیتا تھا۔ گھی کے استعمال شدہ ڈبوں میں سیاہی ہوتی' ہاتھ میں برش اور مجھے چونکہ کچھ نمبر خوش خطی کے بھی ملتے تھے' لہٰذا مجھ پر یہ ذمہ داری بھی زیادہ ہوتی کہ جماعت کے پیغام سے دیواریں سیاہ کروں۔ شام کو گھر لوٹتا تو ہاتھ پیروں کے علاوہ..... کہ وہ تو ویسے بھی کالے ہیں..... کپڑے بھی کالے ہوتے۔ جماعت کے ترجمان روزنامہ "تسنیم" کا کوئی خاص نمبر آتا تو گلی کوچوں میں اسے لے کر گھومنا اور دو دو آنے وصول کر کے لوگوں کو چپکانا میرے فرائض میں داخل تھا۔ الجزائر کے ایک عالم دین' (مغالطہ نہیں ہو رہا تو شیخ ابراہیم تھے) اور مجاہد آزادی کرنل بودا جماعت کے مہمان بن کر جنگ آزادی کے لئے چندہ جمع کرنے آئے تو منٹگمری کے جلسہ عام کا دن بھر تانگے پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعے اعلان بھی کیا اور ساتھ ہی ایک طویل رزمیہ نظم بھی کہی ۔ رات کو کمیٹی پارک میں تلاوت قرآن پاک کے بعد میں ہی سٹیج پر آیا۔ گلا بیٹھ چکا تھا لیکن جذبے نے آواز کو جلا بخشی۔ نظم اب بالکل یاد نہیں صرف پہلا شعر حافظے میں محفوظ ہے جو یہ تھا۔

اے الجزائر کی زمیں   خونِ شہیداں کی امیں

انہی دنوں بڑھاپے میں' عمر رفتہ کو آواز دیتے' میں نے اپنے ہفت روزہ پرچے "ندا" کا اجرا کیا ہے۔ نئے امیر جماعت اسلامی پاکستان' قاضی حسین احمد صاحب کی خدمت میں انٹرویو کے لئے حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ قاضی صاحب! میرے آخری چند سوال آپ کو شاید ذرا ٹیڑھے لگیں لیکن ان کا جواب دیتے ہوئے خیال رکھیے گا کہ ایسی باتیں آپ سے پوچھنے کا

حق رکھتا ہوں۔ میں نے اولین الیکشن (پنجاب اسمبلی۔ ۱۹۵۱ء) میں ووٹروں کی فہرستوں کی چھ چھ نقول کچی پنسل سے بنائی تھیں جن کی سختی سے اب لوگ واقف بھی نہیں اور جن سے لکھتے لکھتے انگلیوں کا پور پور دکھنے لگتا تھا' ہاتھ شل ہو جاتے تھے۔ میرے نویں جماعت کے سالانہ امتحان ہو رہے تھے' لیکن کتابوں اور تیاری سے بے پرواہ میں جماعت کی پہلی "پنچایتی نظام" کے تحت انتخابی مہم میں مگن تھا۔ عین پولنگ کے دن بعد دوپہر میرا ایک پرچہ تھا' پہلے سارے پرچے بھی بغیر تیاری کے دیئے' اس روز امتحانی گتہ ساتھ لے کر پولنگ سٹیشن گیا کہ جب اس کا وقت ہو گا' وہیں سے سکول چلا جاؤں گا۔ وہاں پرچیاں بناتے بناتے چار بج گئے۔ امتحان کا وقت آیا لیکن حاشیہ خیال سے بھی نہ گزرا۔ البتہ خیر گزری کہ سکول والوں نے میری معذرت قبول کر لی اور باقی پرچوں کی اوسط نکال کر مجھے پاس کر دیا ورنہ ایک سال مارا جاتا۔

اس طولانی تمہید سے قارئین کو بے مزا کرنے سے غرض صرف اتنی ہے کہ ہمارے قارئین اور ساتھی...... اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں تو جماعت اسلامی کے متعلقین بھی' کبھی جن میں ہم میں بھی چاہ تھی۔ انہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو...... ہماری تلخی کو رقابت و محاذ آرائی پر محمول نہ کریں' ہمارے درد و کرب کا اظہار سمجھیں۔ ہم بے سرو سامانی کی کیفیت میں جس انقلابی دعوت کو لے کر اٹھے ہیں اس کا آوازہ بلند کر کے مولانا ابو الکلام آزاد تو زندگی میں ہی مرحوم ہو گئے' مولانا مودودی مرحوم و مغفور نے جماعت اسلامی کی قیادت کرتے ہوئے اس میں مفہوم و معنی کی جان ڈالی اور بڑے ہی قیمتی لوگوں پر مشتمل ایک قافلہ بنا کر اسے عملی جامہ پہنانے کا عزم کیا تھا۔ لیکن پھر وہ انقلابی دعوت کھو گئی' قافلہ بے مقصدی کی وادیوں میں بھٹکنے لگا...... جی ہاں! اپنے ہدف سے ہٹ کر آپ کتنے ہی کارہائے نمایاں انجام دے لیں' کیسی ہی چابک دستی دکھائیں' بھٹکے ہوئے شمار ہوں گے...... کان جس آوازِ حق سے نا آشنا ہوتے جا رہے تھے' وہ فضا میں بلند ہونے بھی نہ پائی تھی کہ یہ حادثہ ہو گیا۔

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
"ہمیں" سو گئے داستاں کہتے کہتے

یہ نہ ہوا ہوتا تو آج ہم تنہا بادیہ پیمائی کا شوق پورا کرنے اور آبلہ پائی کا دکھ اٹھانے کی بجائے جماعت اسلامی کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے جانبِ منزل رواں ہوتے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کا اپنی حکمتِ عملی میں بنیادی تبدیلی کا فیصلہ اور بعد میں جماعت کا اس پر اصرار بدنیتی کا نتیجہ ہے۔ اگر ایسا سمجھتے تو رُوئے سخن ان کی طرف ہوتا ہی کیوں کہ بقول غالبؔ۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

ہمارے نزدیک یہ تدبیر کی غلطی تھی اور غلطی کی طرف اشارہ کیا جاتا رہے تو کیا عجب کبھی وہ فولادی جال موم ہو ہی جائے جس کے دام میں جماعت کا اصل مقصدِ تاسیس سسک رہا ہے۔ چاروں طرف کان لگا کر دیکھتے ہیں تو اب بھی بھانت بھانت کی بولیوں میں سے ایک ہی دعوت میں دین کے انقلابی تصوّر کا سراغ ملتا ہے لیکن افسوس کہ سیاسی مصلحتوں 'انتخابی امنگوں اور حکمت کے "عملی" تقاضوں نے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا..... ہمیں اپنائیت جماعت ہی کے لوگوں سے محسوس ہوتی ہے۔ کاش وہ ہمارے دلوں میں جھانک سکتے جہاں انہیں یہ شعر نقش ملے گا۔

ہر روز ایک تازہ شکایت ہے آپ سے
واللہ! مجھ کو کتنی محبت ہے آپ سے

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جماعت میں اپنی غلطیوں سے اغماض عادتِ ثانیہ' ان پر اصرار حکمتِ بالغہ اور ان کی پُر پیچ تاویلات ادبِ عالیہ بنتا جارہا ہے حال ہی میں قیادت میں نمایاں تبدیلی کے بعد تو اس عمل میں برق کی سی تیزی آتی نظر آرہی ہے۔ کراچی میں شکست کے تجربے سے اس نے اگر کوئی سبق سیکھا تو یہ کہ اسے اور زیادہ "عوامی" ہو جانا چاہئے۔ "کاروانِ دعوت و محبت" کا خوبصورت لیبل لگا کر جماعت نے اپنی افرادی قوت' مالی وسائل اور شان و شوکت کے مظاہرے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس میں دعوت اور محبت نام کی چیزیں تو عنقا ہیں' دوسرے سیاسی گروہ اور جماعت اسلامی کی حریف دینی جماعتوں کے ہاتھ ایک اور شغل ضرور لگ جائے گا۔ پھر دیکھئے اس طوفان ہاؤ ہو اور غوغا آرائی میں کس کا نمبر پہلا رہتا ہے۔ رہے عوام تو انہیں بغیر ٹکٹ تماشے دیکھنے کو ملیں گے۔ وہ تماشوں کے عادی ہو چکے ہیں اور بڑے شوق سے منتظر رہیں گے کہ نیا تماشا کدھر سے اور کب دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ تماشا ہمیں

جی بھلا لگتا ہے لیکن لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے کہ پچھلی چودہ صدیوں میں اس دوُرکنی کاروان دعوت و محبت کے نقوش پا کو چومتے ہوئے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت کے دسویں سال طائف لے کر گئے تھے اور اس تین رکنی (ایک اونٹ بھی تو اسی کا حصہ تھا) کاروان دعوت و محبت کے اتباع میں جس کا رخ امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں بیت المقدس کی طرف تھا' ہزاروں کارواں ہائے دعوت و محبت دنیا کے طول و عرض میں بکھرتے رہے ہیں' ان میں سے کسی کے آثار اس تازہ کارواں میں نظر نہیں آتے تو ہمارا اضطراب دوچند ہو جاتا ہے' درد و کرب کی لہریں بے چین کر دیتی ہیں اور حسرت آتی ہے کہ دین کا ایسا واضح اور اتنا ہمہ گیر تصور رکھنے والے اگر یوں کھلونوں سے بہلنا اور کھلونے دے کے بہلانا شروع کر دیں گے تو عوام کالانعام کسے رہنما کریں گے۔

ہمیں دکھ یہ بھی ہے کہ تیس' چالیس' پچاس سال قبل جب ہماری قوم بانجھ نہیں ہوئی تھی' مردانِ کار پیدا ہوتے اور پائے جاتے تھے' جماعتِ اسلامی کی پکار...... مَن انصاری الیٰ اللہ...... پر لبیک کہتے ہوئے جو لوگ جمع ہوئے تھے وہ اس ملک کی تقدیر بدل سکتے تھے' لیکن انہیں سیاست کی بھول بھلیّوں اور انتخابات کی خار دار وادیوں میں بھٹکا کے نڈھال کر دیا گیا۔ انہیں عظمت و عزیمت کے نشان اور دعوت الی اللہ کے مینار بنانے کی بجائے ان کی گردنوں میں ووٹوں کے کشکول لٹکا دیئے گئے۔ یہ سب دکھ' یہ پورا درد و کرب اور یہ ساری حسرت جمع ہو کر اگر ہم میں تلخی پیدا کر دے تو اس کے سوا کیا عرض کریں کہ ۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

●●●●●

مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَمِ

مولانا سیّد حامد میاں رح

ناظم ومہتمم وشیخ التفسیر والحدیث والفقہ جامعہ مدنیہ، راوی روڈ۔ لاہور

•

۳، مارچ ۸۸ء کی شب کو اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔ معلوم ہوا ہے کہ اسی تاریخ کو نمازِ مغرب کے بعد جب کہ مولانا مرحوم اپنے کمرے میں اکیلے اوراد و وظائف میں مشغول تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہی جان لیوا ثابت ہوا۔ فوراً طبّی امداد کے لئے ہسپتال لے جایا گیا، ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی کہ مولانا انتقال فرما چکے ہیں: کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔ وفات کے وقت مولانا کی عمر شمسی تقویم سے اکسٹھ اور قمری تقویم سے ترسیٹھ برس کی تھی گویا مولانا مرحوم نے مسنون عمر میں رحلت فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ۔

مولانا مرحوم برِّعظیم پاک و ہند کے ایک نہایت جیّد عالمِ دین مولانا سیّد محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید تھے۔ ان کے والد مرحوم کو غیر منقسم ہندوستان میں ملک گیر شہرت حاصل تھی۔ مرحوم کافی عرصہ تک جمعیت العلمائے ہند کے جنرل سیکرٹری بھی رہے ہیں۔ درس و تدریس کے علاوہ مولانا صاحبِ قلم بھی تھے۔ بے شمار دینی کتب کے مصنّف تھے۔ جن میں سے دو کتابوں کو، یعنی پہلی کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جو چار جلدوں پر محیط ہے اور دوسری کتاب "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" جو دو جلدوں پر محیط ہے، ملک گیر قبولِ عام حاصل ہوا۔ ان کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور ان کو ایک تاریخی دستاویز کا مقام حاصل ہے۔ آج بھی محققین ان سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

مولانا سیّد حامد میاں رح نے دینی تعلیم کے حصول کی ابتدا دارالعلوم دیوبند سے کی پھر مرادآباد کے مدرسہ جامعہ قاسمیہ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ اسی مدرسہ میں مولانا مفتی محمودؒ بھی مولانا حامد میاں کے ہم سبق تھے۔ اس زمانہ سے دونوں بزرگوں میں گہرے مراسم چلے آرہے تھے۔ مولانا مرحوم مفتی صاحب کے علم و تقویٰ کے ساتھ ان کی سیاسی بصیرت سے نہایت متاثر تھے۔ مزید براں

مولانا مرحوم کے اپنے بقول وہ معرفت میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا مرشد مانتے تھے۔ وہ مولانا مدنیؒ کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔ اپنے دور کے اہلِ علم میں سے مولانا مرحوم حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے بہت زیادہ معترف تھے۔ مفتی صاحبؒ کے انتقال کے بعد پاکستان میں ان کے صحیح جانشین کا حق درحقیقت مولانا سید حامد میاںؒ کو حاصل تھا لیکن چونکہ کسی نفسیاتی یا جسمانی عارضہ کی وجہ سے مولانا مرحوم جامعہ مدنیہ سے باہر تشریف لے جانے سے احتراز فرماتے تھے۔ اس لئے جمعیت علماء اسلام کے دوسرے گروپ کی جو مولانا فضل الرحمٰن خلف مفتی محمودؒ گروپ کہلاتا ہے سربراہی مولانا فضل الرحمٰن مدظلہٗ کو ملی جب کہ مولانا سید حامد میاںؒ کو اس گروپ کے روحِ رواں اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کے مشیرِ اعلیٰ اور مربی کا مقام حاصل تھا۔

مولانا حامد میاںؒ بڑے خلیق، منکسر المزاج اور وسیع القلب عالم دین تھے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و امیر تنظیم اسلامی سے مولانا مرحوم کے بڑے مشفقانہ اور سرپرستانہ تعلقات تھے۔ مرکزی انجمن کے مقاصد سے ان کے اتفاق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انجمن کے زیر اہتمام جتنی قرآن کانفرنسیں یا محاضراتِ قرآنی لاہور میں منعقد ہوئے، ان میں دو تین کے علاوہ ہر ایک کے لئے مولاناؒ نے اپنا ایک بیش قیمت عالمانہ مقالہ ضرور عنایت فرمایا لیکن چونکہ مولانا مرحوم جامعہ مدنیہ سے باہر خود کہیں تشریف نہیں لے جاتے تھے لہٰذا ان کا مقالہ ان کے صاحبزادے یا انجمن کے کوئی رکن پیش کیا کرتے تھے۔

محترم ڈاکٹر صاحب موصوف نے جب تنظیم اسلامی قائم کی اور اس کے تین سال کے عبوری دور کے لئے جو عارضی دستور مرتب کیا، اس کے بارے میں مولانا مرحوم سے مشورہ لیا۔ مولانا مرحوم نے اس کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ تنظیم کے حلقہ مستشارین میں شمولیت بھی منظور فرمائی۔ اگست ۷۷ء میں جب تنظیم اسلامی کی ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے 'بیعت' کا نظام اختیار کیا گیا تو کچھ عرصہ تک اس کا چرچا عام نہیں ہوا لیکن جب عام ہوا تو جون ۸۲ء میں بیعت کے خلاف لاہور کے اخبارات میں تین علماء کرام کی طرف سے ایک بیان شائع ہوا جن میں مولانا سید حامد میاںؒ کا نام بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس وقت بلتستان کے دعوتی دورے کے لئے پا برکاب تھے۔ اس لئے اتنا وقت نہیں تھا کہ ان تینوں علماء سے

ملاقات کر کے اس بیعت کی وضاحت کرتے جو تنظیم میں شمولیت کیلئے لے رہے تھے۔ البتہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کی خدمت میں فوری طور پر حاضری دے کر ان کے سامنے اپنا مؤقف بیان کیا تو مولانا مرحوم کی حق پسندی نے اس کو تسلیم کر لیا اور اخبارات کے لئے ایک بیان جاری فرمایا جو میثاق کے شمارے میں شائع ہوا اور جو حسب ذیل ہے۔

توضیحی بیان مولانا سید حامد میاں

لاہور کے روزناموں کی اشاعت بابت ۷ رجون ۸۲ء میں جو بیان میرے اور دو قابلِ احترام علمائے کرام کے نام سے شائع ہوا ہے اس کے ضمن میں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی بیعت کسی سیاسی مقصد کے لئے نہیں بلکہ ان ہی دینی مقاصد کے لئے ہے جو احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور سلف صالح سے ماثور و منقول ہیں - جیسے جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے دین کی نصرت و اقامت کے لئے اجتماعی سعی و جہد کے لئے بیعت - سلف سے بعض دوسری بیعتیں بھی ثابت ہیں جیسے حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اقامت صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ نصح و خیر خواہی پر بیعت کی - چونکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تنظیمِ اسلامی میں شامل ہونے والے حضرات سے جو بیعت لے رہے ہیں وہ اسی نوعیت کی ہے لہٰذا اس پر شرعی حیثیت سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا - نفاذ حدودِ شرعیہ کے ضمن میں بھی میں نے ڈاکٹر صاحب سے وضاحت طلب کی ہے اور ان کی وضاحت سے میرا اطمینان ہو گیا ہے - یہ وضاحت خود ڈاکٹر صاحب پریس کے حوالے کر دیں گے -

سید حامد میاں

۸ رجون ۸۲ء (میثاق جولائی ۸۲ء)

اس بیان میں نفاذِ حدود شریعت کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی جس رائے کا تذکرہ ہے تو اس پر بھی بعض علمائے کرام کی طرف سے اخباری بیانات کے اعتراضات اٹھائے گئے تھے اس کے ضمن میں محترم ڈاکٹر صاحب نے جو بیان اخبارات کو جاری کیا تھا وہ بھی میثاق کے اسی شمارے میں شامل تھا جو ہو بہو حسب ذیل ہے

"...... اس عرصہ میں خود ڈاکٹر صاحب ایک دن تشریف لے آئے میں نے ان سے بھی بات کی کہ آپکی نیت اس بیعت میں جو آپ لیتے ہیں بیعت جہاد ہے یا کیا؟ کیونکہ اسکی صفات وہ ہیں جو بیعت جہاد کی ہوتی ہیں کہ کوئی کسی سے بھی بیعت ہو وہ آپسے بھی بیعت کرلے وغیرہ تو انہوں نے کہا میری یہی نیت ہے۔ میں نے جو انکی بات کی تائید کی تھی تو اس وقت مذکورہ بات بھی پیش نظر تھی اور دوسرے وہ واقعات بھی کہ جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف امور پر بیعت لی ہے اور بیعت جہاد وغیرہ میں مفضول نے افضل سے بیعت لی ہو اسکا ثبوت بھی ہے' لاہور ہی میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے خود بیعت ہوجانے کے لئے فرمایا اور شاید بیعت بھی ہوئے اور بڑے بڑے لوگ بیعت ہوتے اسی لئے انہیں امیر شریعت کہا جانے لگا۔ یہ بیعت بیعتِ جہاد ہی کی نیت سے تھی چاہے کلمات میں صراحت نہ ہوئی ہو جس کی وجہ حالات تھے۔ اور حکومت کا تسلط ورنہ مولانا انور شاہ صاحب اور بزرگ سے بیعت تھے، صوفیا کرام کی بیعت اور اسکی اقسام کی بحث تو "القول الجمیل" میں ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نہ کسی سے مرید ہیں نہ مجاز اس لئے وہ یہ بیعت تو نہیں لیتے وہ جو بیعت لیتے ہیں وہ اور قسم کی ہے اور بے ثبوت یعنی بلا دلیل شرعی بھی نہیں کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ بھی لی ہے اس میں اس وقت کے مطابق کلمات تھے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جلد دوم میں مختلف قسم کی بیعتیں استنباط کی ہیں۔

(۱) البیعۃ علی السمع والطاعۃ (۲) البیعۃ علی ان لا ننازع الامر اھلہ

(۳) البیعۃ علی القول بالحق (۴) البیعۃ علی القول بالعدل

(۵) البیعۃ علی الاثرۃ (۶) البیعۃ علی النصح لکل مسلم (۷) البیعۃ علی

ان لا نفر (۸) البیعۃ علی الموت (۹) البیعۃ علی الجہاد

(۱۰) البیعۃ علی الھجرۃ نسائی ج م کتاب البیعۃ

غرض ڈاکٹر صاحب کی بیعت یا تو بقول ان کے بیعت جہاد ہی ہے یا اس قسم کی بیعتوں میں سے کسی قسم کی ہے ......"

(تحریر ۱۷ / دسمبر ۸۲ء)

مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کی وفات اہلِ پاکستان کے لئے صدمۂ عظیم ہے ہی لیکن ڈاکٹر صاحب کے لئے تو ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ چونکہ علمائے دیوبند میں سے جس عالمِ دین کی ڈاکٹر صاحب اور ان کی دعوت کو سب سے زیادہ تائید اور سرپرستی حاصل تھی وہ مولانا مرحوم کی شخصیت تھی۔ اس اعتبار سے مولانا مرحوم کے انتقال پر ڈاکٹر صاحب کو انتہائی دلی صدمہ ہے۔

مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کی شخصیت پر اسی شمارے میں محترم جناب قاری سعید الرحمٰن علوی کا مضمون بھی شاملِ اشاعت ہے۔ جس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ مولانا کی شخصیت کے بہت سے گوشے نمایاں ہو کر سامنے آجائیں گے۔ ہم اپنی گذارشات کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ وحاسبہ حساباً یسیراً۔ آمین یا ربّ العلمین۔

★★★★★

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

مئی ۱۹۸۸ء

کے میثاق کا شمارہ **رمضان نمبر** ہوگا

★★★★★★

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ
بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی
ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ

(متفق علیہ)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

ٹرک، ٹریکٹر اور بس کے لیے سیکو بریک لائننگ
بیڈفورڈ کے لیے 71+71 اٹلی کے گیئر پارٹس EPL ہیڈ لائٹ بیم
اور دیگر "NG" برانڈ پارٹس مناسب دام پر دستیاب ہیں

جینون آٹوموبائیلز
فون: ۲۰۲۲۸۴
۲۰۰۴۱۹
ٹیلکس: ۴۴۹۷۲
GEN PK
۱۴۸- جنرل بس سٹینڈ بادامی باغ لاہور

جمیل الرحمٰن

قافلۂ تنظیم منزل بہ منزل

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ   بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ ط

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مبین میں یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط۔ "اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ نہ بدلیں خود اپنے آپ کو"۔ مولانا حالی مرحوم نے اس آیت کی ترجمانی شعر میں اس طرح کی ہے ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی   نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

علامہ اقبال مرحوم اپنے دور کے نابغہ روزگار شخصیت تھے انہوں نے اس اصول کی تعبیر یوں کی ہے کہ:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

جلال الدین اکبر کے ہاتھوں برِعظیم پاک و ہند میں ملّی سطح پر جو بگاڑ شروع ہوا تھا۔ اس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مردِ حق شیخ احمد سرہندی کو مجدد و مصلح بنا کر کھڑا کیا اس لئے کہ الصادق و المصدوق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قولِ مبارک جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے کہ: لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ "میری امت میں سے ایک گروہ (ہمیشہ) اللہ کے امر کے ساتھ قائم رہے گا"۔ کوئی دور ایسا نہیں ہوگا کہ جس میں علمائے حق و ربانی کا ایک گروہ ایسا موجود نہ ہو جو خود بھی دینِ حق پر قائم رہے اور خواص و عوام کو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق حق کی نصیحت و وصیت کرتا رہے جس کے راوی ہیں حضرت ابی رقیہ تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> الدین النصیحۃ، قیل من یا رسول اللّٰہ قال لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِائمۃ المسلمین وعامتھم (ترجمہ) "دین تو بس وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے"۔ صحابہؓ نے پوچھا "حضورؐ! کس کی؟" آپؐ نے فرمایا "اللہ کی، اس کی کتاب

کی، اس کے رسولؐ کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں اور عوام سب کی "۔
چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عالمِ اسلام میں ہر دور میں ایسے علمائے حق اٹھتے رہے جو اس فریضۂ نصیحت کو ادا کرتے رہے۔ لیکن دورِ تبع تابعین کے مشہور عالم، محدّث، فقیہ اور حالات کے صحیح نبض شناس حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ کے اس حد درجہ قولِ حق کے مطابق کہ :

وَما افسد الدین الا الملوکُ۔ وَاحبارُ سوءٍ وَرُھبانُھا۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین میں لگاڑ پیدا کرنے میں تین عناصر برابر کے شریک ہوتے ہیں :۔ ایک بادشاہ، دوسرے علماءِ سوء اور تیسرے نام نہاد صوفی"۔ اسی تگرلسم کے گٹھ جوڑ سے اکبر کا "دینِ الہٰی" ایجاد ہوا۔ اور برِعظیم پاک و ہند میں اسلام کا مستقبل شدید ترین خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے اپنے ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جنہوں نے مردانہ وار اس بے دینی، بے اعتقادی، بدعملی اور فساد کا مقابلہ کیا جن کے سرخیل تھے مجدّد الف ثانی حضرت احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں علامہ اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے کہ :

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت مجدّد الف ثانیؒ (ہزارویں برس کے مجدّد) نے جہاں اکبر کے 'دینِ الٰہی' کا قلع قمع کیا وہاں نام نہاد اور جاہل صوفیاء کے ذریعہ جو مشرکانہ و مبتدعانہ نظریات و افعال راہ پا رہے تھے، اُن کے آگے توحیدِ خالص کا بند باندھا ـــ حضرت مجدّد کے حلقۂ ارادت میں جہاں مخلص علمائے کرام شامل تھے، وہاں حکومتِ وقت کے بہت سے مخلص متوسّلین بھی موجود تھے۔ لہٰذا 'دینِ اکبری' درگور ہوگیا۔

لگ بھگ یہی دور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک اور شخصیت کھڑی فرمادی تھی یعنی مولانا عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ جنہوں نے اپنے چند مخلص رفقاء کے تعاون سے برِعظیم کے اہلِ علم کی دلچسپیوں کے رُخ کو فقہ کے ساتھ احادیثِ شریفہ کی طرف بھی موڑ دیا۔ ان اللہ کے بندوں کی قربانیوں اور جدّ و جہد کا نتیجہ محی الدین اورنگ زیب عالم گیر جیسے نیک و صالح بادشاہ کی صورت میں ظاہر ہوا لیکن عالم گیر کی وفات کے بعد جہاں ایک طرف ملک میں طوائف الملوکی نے جنم لیا اور عظیم مغل سلطنت حصّوں بخروں میں تقسیم ہونی شروع ہوئی، وہاں دوسری طرف علماء کی اکثریت غیر ضروری، لاحاصل اور گمراہ کن منطقی بحثوں میں الجھ گئی اور چند فروعی مسائل کو فرقہ داریت کے لئے بنیادیں فراہم ہوگئیں۔ جس کی وجہ سے برِعظیم میں اُمّت کی وحدت پارہ پارہ

ہونی شروع ہوئی۔

یہی وقت تھا کہ برعظیم پاک وہند میں مسلمانوں کے سامنے دین کی اصل حقیقت کو واضح کرنے اور امت کو ایمان کے حقیقی منبع و سرچشمہ یعنی قرآن مجید کی طرف رجوع و التفات پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کو اٹھایا ـــ جن ؒ سے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی پختہ رائے یہ ہے کہ "تابعین و تبع تابعین کے دورِ سعید کے بعد ایسی جامع شخصیت پورے عالم اسلام میں پیدا نہیں ہوئی اور حضرت شاہ صاحب درحقیقت دورِ جدید کے فاتح ہیں۔" حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک طرف "اصولِ تفسیرِ قرآن" پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتاب تحریر فرمائی ـــ اس سے قبل اس موضوع پر شاید ہی کوئی تصنیف موجود ہو ـ دوسری طرف شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا جو اس وقت نہ صرف سرکاری زبان تھی بلکہ اہلِ علم و دانش کی بھی یہی زبان تھی۔ اور اس دور میں ہماری دینی کتب یعنی احادیث کے بعض مجموعوں اور فقہ پر اصولی کتابوں کے ترجمے بھی فارسی زبان میں تھے۔ برعظیم میں بسنے والی امتِ مسلمہ دین اور ایمان و یقین کے اس منبع و سرچشمہ سے فیض یاب ہو سکے۔ جو ابدالآباد تک کے لئے ھدیً للناس ہے۔ لیکن اس وقت کے علماء کی اکثریت کا حال یہ تھا کہ وہ قرآن مجید کے کسی غیر عربی ترجمے کو کفر کے مترادف سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ بعض ' نادان و جذباتی ' علماء نے حضرت شاہ صاحب کی تکفیر کا فتویٰ بھی دے دیا جس کے نتیجے میں جہلاء کے ایک گروہ نے شاہ صاحب کو شہید کرنے کا باقاعدہ اقدام بھی کیا۔ وہ تو اللہ تعالےٰ نے اپنے اس بندے سے کام لینا تھا لہٰذا وہ اس سازش سے محفوظ رہے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت شاہ صاحب کو بڑی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ اسی عطائے الٰہی کا یہ ظہور تھا کہ شاہ صاحب پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جنوب مشرق میں خالص ہندوازم کی جو تحریک شیواجی نے شروع کی تھی جس کے نتیجہ میں مرہٹہ قوم ایک نہایت قوی عسکری طاقت کے طور پر ابھر چکی تھی، جس کے عزائم یہ تھے کہ مغل سلطنت کے مرکز کی کمزوری اور مسلمانوں کی طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر مرکز سمیت ہندوستان سے ہر مسلم ریاست کا قلع قمع کر دیا جائے بلکہ ہسپانیہ کی طرح مسلمانوں کو یا تہِ تیغ کر دیا جائے یا ہندوستان سے باہر دھکیل دیا جائے ـــ اس وقت زبوں حالی اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ پورے ہندوستان

میں کوئی مسلم ریاست ایسی نہیں تھی جو مراٹھوں کی اس عسکری یلغار کو روک سکتی۔ چنانچہ مراٹھے پونا (مہاراشٹر کے صدر مقام) سے آندھی طوفان کی طرح راہ کی ہر مسلم ریاست کو روندتے ہوئے نام نہاد مغل حکومت کے دارالحکومت دہلی تک پہنچ رہے تھے اور بظاہر احوال یہ نظر آرہا تھا کہ دہلی کا بھی وہ حشر ہونے والا ہے جو ماضی میں بغداد، اصفہان، شیراز اور قرطبہ غرناطہ وغیرہ کا ہو چکا تھا۔

یہ شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی تھے کہ انہوں نے افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی کو نہایت درد بھرا خط ارسال کیا اور اس کی غیرت و حمیتِ دینی کو جگایا کہ ہند میں مسلمانوں کی کشتی کو بالکلیہ ڈوبنے سے بچاؤ۔ اور اللہ کے یہاں اپنا اجر محفوظ کر لو۔ احمد شاہ ابدالی اپنے سرفروشوں کے لشکر کے ساتھ آندھی طوفان کی طرح دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرتا ہوا پانی پت پہنچا جہاں مراٹھوں کے ساتھ جن کی تعداد افغان فوج کے مقابلے میں کئی گنا تھی وہ معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں "پانی پت کی تیسری جنگ" کے عنوان سے محفوظ ہے۔ اس جنگ کے نتیجہ میں احمد شاہ ابدالی کے جان نثاروں کے ہاتھوں، جو شوقِ شہادت لے کر مراٹھوں کی عظیم عسکری قوت سے ٹکرانے آئے تھے، مراٹھوں کی یہ قوت پارہ پارہ ہوگئی اور وہ ایسی زبردست شکست و ہزیمت سے دوچار ہوئے کہ ان کی دہشت ختم ہوگئی۔

شاہ صاحبؒ کی دوررس نگاہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ مغربی اقوام جن میں انگریز پیش پیش تھے، ہندوستان میں تجارت کی غرض سے جہانگیر کے دور میں آئی تھیں اور انہوں نے ملک کی مشہور بندرگاہوں پر نہ صرف اپنی تجارتی کوٹھیاں تعمیر کر رکھی تھیں بلکہ ان کی حفاظت کے بہانے قلعے تک تعمیر کر لئے تھے۔ جن میں جدید اسلحہ سے لیس فوجیں بھی جمع ہو رہی تھیں۔ اس وقت بنگال کے حکمران سراج الدولہ شہیدؒ نے انگریز کے عزائم کو بھانپ کر ان کو بنگال سے بے دخل کرنے کے لئے فوجی اقدامات شروع کئے جس کے نتیجے میں ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی ہوئی جس میں انگریزوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی۔ انگریز بڑی عیاری و کیادی اور تدریج سے اپنے پنجۂ استبداد میں ہندوستان کو جکڑ رہا تھا۔ اس کا سامراجی عفریت ایک ایک کر کے مسلم و غیر مسلم، آزاد و خود مختار ریاستوں کو نگلتا ہوا مغل سلطنت کے گرد گھیرا تنگ کرتا چلا آرہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان کی امتِ مسلمہ جس خوابِ غفلت میں مدہوش اور جس دینی و اخلاقی زوال سے دوچار ہیں، اس سے

جگانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے درپے تنبیہِ عذاب کے کوڑے برس رہے ہیں۔ لیکن ملت، خاص پر عمائدین واکابر کو اس کا احساس تک نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ کو یہ بھی اندازہ تھا کہ مغربی اقوام کا صرف عسکری تسلط ہی نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ ہی غیراسلامی فکر بھی ملت کے اذہان قلوب کو مسموم کر دے گا۔ شاہ صاحبؒ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور مسلم قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ یہ اٹھارویں صدی کا دور ہے، اس میں شاہ صاحب اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ جس معاشرے اور جس نظام میں تقسیم دولت کی یہ صورتِ حال ہو کہ جاگیردار، منصب دار، اور زمیندار کے پاس دولت کا ارتکاز ہوتا چلا جائے اور عوام الناس کو صرف ڈھور ڈنگر سمجھ کر انہیں لدّ دبل کے مقام تک گرادیا جائے وہ معاشرہ اور وہ نظام باقی نہیں رہ سکے گا۔ بالآخر وہ زوال سے دوچار ہوکر رہے گا ـــــ برعظیم پاک وہند میں یہ ہوکر رہا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے برِعظیم میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے جو پودا لگایا تھا وہ ملت کے اجتماعی گناہوں کے سبب پوری طرح بارآور تو نہ ہوسکا لیکن کچھ نہ کچھ برگ وبار لاتا رہا بلکہ راقم تو یہاں تک عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ برِعظیم پاک وہند میں صحیح نہج پر قال اللّٰہ اور قال الرسولؐ کا جو چرچہ ہے اور بڑے بڑے عظیم دارالعلوم قائم ہیں ان سب کے فکر کا منبع "فکرِ ولی اللّٰہی" ہی ہے۔ شاہ صاحبؒ کے فرزندوں میں سے تین وہ جلیل القدر رجالِ دین ہیں کہ جن کی مساعیِ جلیلہ کے بارِ احسان سے برعظیم کی ملت سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ وہ بزرگ ہیں جن میں سے ایک نے اس وقت کی مروّجہ اردو زبان میں قرآن مجید کا لفظی ترجمہ اور دوسرے نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ اور اس پر مختصر حواشی بھی تحریر کئے۔ آج اردو زبان میں جتنی بھی مستند تفاسیر متبادر و متعارف ہیں ان سب کا ماخذ یہی دو اوّلین ترجمے ہیں۔ دورِ حاضر کا کوئی مفسّر یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے ان ترجموں سے استفادہ نہیں کیا ـــــ شاہ صاحب کے تیسرے جلیل القدر فرزند شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جن کے مدرسے اور جن کی تربیت کے نتیجہ میں ہندوستان کے مجاہدِ کبیر سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دستِ راست شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تیار ہوئے۔ بلکہ جب سید صاحب اور شاہ صاحب رحمہما اللہ نے سکھوں کے خلاف جہاد و قتال کا فیصلہ کیا جو پورے پنجاب اور سرحد پر قابض تھے جن کے ہاتھوں مسلمانوں کی نہ جان و مال اور آبرو محفوظ تھی اور نہ دین اور شعارِ دین۔ ان سکھوں کے مظالم اور

جور وستم سے وہی بے غیرت و بے حمیّت " نام نہاد مسلمان" محفوظ تھے ۔ جنہوں نے ان کی غلامی کا طوق خوشی خوشی اپنے گلوں میں ڈال لیا تھا۔ اس 'سکھا شاہی' میں لاہور کی شاہی مسجد کو اصطبل بنا دیا گیا۔ اس کے صدر دروازے کی سیڑھیوں پر قرآن مجید کے نسخے بچھا دیئے گئے کہ خالصہ اس پر پاؤں رکھ کر اوپر پہنچتا تھا۔ چنانچہ حضرت سید شہیدؒ نے ان سکھوں سے جہاد و قتال کرنے کے لئے مجاہدین کا جو لشکر تیار کیا' اس میں اکثریت انہی لوگوں کی تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ' ان کے صاحبزادوں رحمہم اللہ اور ان کے متعدد تربیت یافتہ علمائے ربانی کے زیر تعلیم و تربیت رہے تھے۔ سید شہیدؒ کا منصوبہ یہ تھا کہ سکھوں سے نمٹ کر پنجاب اور سرحد کو مرکز بنا کر مغربی اقوام خاص طور پر انگریزوں کے خلاف جہاد و قتال کیا جائے جس کا نتیجہ استبداد مغل سلطنت کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنے اور ہندوستان کی آزادی و خودمختاری کو ہڑپ کرنے کے لئے بالکل آزاد تھا۔ لیکن برعظیم کی ملّتِ اسلامیہ' برعظیم کی اکثریت دینی و اخلاقی لحاظ سے اس حد تک گر چکی تھی کہ اپنوں ہی نے ان مجاہدین کی سکھوں کے لئے جاسوسی کی۔ سکھوں سے مل کر ان پر شب خون مارے۔ بالآخر اپنوں ہی کی غداری کے باعث سید احمد بریلویؒ ، شاہ اسمٰعیلؒ اور ان کے بے شمار انصار و اعوان شہید ہوئے اور ان شہداء کے مقدس خون سے بالاکوٹ کی زمین اور دریائے نہار کا پانی لالہ زار ہوا۔

بظاہر شہیدین کی تحریک ناکام ہوئی لیکن ان شہداءِ کرام کا اللہ تعالےٰ یہاں جو مقام اور مرتبہ ہے اس سے ہر وہ شخص کسی نہ کسی درجے میں واقف ہے جو دین سے تعلق و شغف رکھتا ہو بلکہ راقم تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہے کہ شہید کے ارفع و اعلیٰ رتبہ سے ہمارے عوام الناس تک بخوبی آشنا ہیں جس کا ثبوت ۵۳ء کی انٹی قادیانی تحریک' ۶۵ء کی بھارت کی یلغار اور ۷۷ء کی تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ ہے جس میں ہمارے عوام ہی نے صرف شہادت کے ذوق و شوق میں سینہ تان کر گولیاں کھائی ہیں ـــــ بہرحال راقم عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ اس کے نقطۂ نظر سے دنیوی اعتبار سے بھی ناکامی نہیں ہوئی ۔ ان شہداء کے مقدس خون کی آبیاری اور مقدس ہڈیوں کی کھاد سے غنچے کھلتے رہے۔ اسی تحریک شہداء کے باقیات الصالحات تھے جن کی مساعی کے نتیجے میں ۱۸۵۷ء میں 'جنگ آزادئ وطن' برپا ہوئی ۔ اس جنگ میں پیش پیش اکثریت ان علمائے حق کی تھی جو شاہ ولی اللہؒ کے فکر کے مؤیدین و تربیت یافتہ اور تحریک شہداء کے وابستگان میں سے تھے۔ اس جنگ آزادی کی ناکامی کے اسباب بیان کئے جائیں تو گفتگو

پہلے ہی اندازے سے زیادہ طویل ہو رہی ہے مزید طوالت اختیار کرلے گی۔ اس کے لئے حفیظ جالندھری کا یہ شعر راقم کے خیال میں کفایت کرے گا کہ ؎

دیکھا جو چوٹ کھا کے کمیں گاہ کی طرف ۔۔۔ اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

اس جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مغل حکومت کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔ اور ہندوستان براہِ راست تاجِ برطانیہ کی غلامی میں چلا گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں چونکہ علمائے حق پیش پیش رہے تھے لہٰذا انگریزی حکومت کے ظلم وستم کا سب سے زیادہ نشانہ وہ بنے ۔ بے شمار علمائے حق کو دار پر چڑھا دیا، متعدد علماءِ عظام کو عمر قید کی سزا دے کر کالا پانی یعنی جزائر انڈمان جلاوطن کر دیا گیا۔

ہندوؤں کی عظیم اکثریت پر انگریز کے تسلط سے کوئی خاص پریشانی طاری نہیں تھی۔ بلکہ ان کے فہیم و فطین عناصر حکومت کی اس تبدیلی پر شاداں تھے ۔ وہ بھانپ گئے تھے کہ انگریز جب بھی ہندوستان سے بوریا بستر گول کرے گا تو چونکہ حریت پسندی کا جو دور شروع ہو چکا ہے اس کے پیشِ نظر اس کا امکان نظر نہیں آتا کہ انگریز کی غلامی صدیوں پر محیط ہو، پھر چونکہ انگریز کا مزاج "جمہوریت پسند" بن چکا ہے ۔ لہٰذا ہندوستان کی حکومت اکثریت ہی کے ہاتھ میں آئے گی اور مسلمان جو اقلیت میں ہونے کے باوجود قریباً آٹھ سو سال مسندِ حکومت پر متمکن رہے ہیں وہ جمہوری ہندوستان میں ہندو اکثریت کے دست نگر بن کر رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بڑھ چڑھ کر انگریز کی وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ اعلیٰ پیمانے پر انگریزی علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی اور انگریز کی حکومت کے زیرِ سایہ بیوروکریسی پر چھا گئے اور ان کو "نیم حکمرانوں" کی سی حیثیت حاصل ہوگئی ۔۔۔

ہندو کی اس ذہنیت کو جن مسلم اکابر نے بھانپا ان میں اہم ترین مقام تو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کو حاصل ہے۔ جنہوں نے اپنی اسلامی و ملی شاعری کے ذریعہ سے مسلمِ خوابیدہ کو غفلت سے بیدار کرنے کے لئے حدی خوانی کی اور بانگ درا دی کہ

؎ کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے ۔۔۔ وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

اور ؎ نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

علماءِ کرام کے طبقے میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تھے ۔ جو ایک طرف

استخلاصِ وطن کے لئے عملاً کوشاں تھے تو دوسری طرف ہندوستان میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے بھی مضطرب و مضطر تھے۔ اسی دور میں ایک نوجوان کے دل میں قرآن حکیم کی عظمت اس کی تبلیغ و دعوت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ بڑی شدت سے پیدا ہوا۔ اللہ نے اس کی تحریر اور تقریر دونوں میں جادو کی سی تاثیر رکھی تھی۔ وہ اگرچہ سکّہ بند عالمِ دین نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو بڑا ذہن رسا ملا تھا۔ اس نوجوان نے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعے سے اعلائے کلمۃ اللہ کی پکار بلند کی اور مسلمانوں کو للکارا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل اس سے وابستہ ہے کہ وہ قرآن کو امام بنا کر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مجتمع ہو جائیں اور ایک امیر یا امام کی زیرِ قیادت حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے منظم جدّوجہد کریں۔ اس نابغۂ زمانہ نوجوان کا نام محی الدین احمد جو پوری دنیا میں مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ اس نوجوان کی صدا کی تاثیر اور اس کے طرزِ استدلال میں اتنی جان تھی کہ شیخ الشیوخ، استاذ الاساتذہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ جیسے عالمِ بے بدل اور اپنے دور کے یکے از مجدد نے اس نوجوان کو نہایت وسعتِ قلبی اور فراخ دلی سے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا کہ:

"اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا" اور وہ ہے قرآن اور جہاد۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم نے نہایت معتبر حوالے سے روایت کیا ہے کہ ایک موقع پر چند علماءِ دیوبند نے نہایت احترام کے ساتھ شکایتاً حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا "حضرت آپ اس نوجوان (یعنی مولانا ابوالکلام آزاد — جو نہ سکّہ بند عالم تھے، نہ وضع قطع کے لحاظ سے "مولوی" تھے) کی بڑی پاسداری کرتے ہیں، بڑا لحاظ رکھتے ہیں تو حضرت نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

کامل اس طبقۂ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی! کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے قلب و نظر میں مولانا آزاد مرحوم کی دعوت رجوع الی القرآن اور دعوتِ جہاد کے باعث کتنی وقعت و منزلت تھی[1]

شیخ الہندؒ کو ۱۹۱۵ء میں انگریز حکومت نے حجاز سے گرفتار کر کے مالٹا میں قید کیا — ۱۹۲۰ء میں حضرتؒ کو اسارتِ مالٹا سے رہائی ملی۔ ان کے بقول وہ یہ عزم لے کر ہندوستان تشریف

باقی صفحہ ۱۱ پر

[1] یہ واقعات محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی تازہ ترین تالیف "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

تنظیمِ اسلامی
کے تاسیسی اجتماع (۲۷ تا ۲۸ مارچ ۷۵ء) کی روداد کی تلخیص

۲۷ مارچ ۷۵ء کو نمازِ عصر کے بعد تنظیمِ اسلامی کی تاسیس کے لیے طلب کردہ اجتماع کی پہلی نشست میں ۱۰۳ حضرات نے شرکت کی۔ جن میں لاہور، کراچی، سکھر، بہاول پور، ساہیوال، لائل پور (حال فیصل آباد) شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور رواہ کے مقامات کے اصحاب شامل تھے۔

اس اجتماع کے داعی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبہ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ سے اس تاسیسی اجتماع کا افتتاح کیا۔

افتتاحی خطاب کی تلخیص

"شرکائے گرامی! قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب کے ایک سے زائد بار مطالعہ سے ہمارے سامنے اپنے دینی فرائض کا شعور اور دین کا ہمہ گیر تصوّر واضح ہو چکا ہے اور ہم کو اس پر پورا انشراحِ صدر حاصل ہو چکا ہے کہ اقامت و اظہارِ دین کی منظم جدّوجہد ہر مسلمان پر فرضِ عین کا درجہ رکھتی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی صحیح بنیادوں میں یہ اہم بنیاد ہے کہ ہم اعلائے کلمۃ اللہ فرض کی ادائیگی میں آنحضرتؐ کی اس سنت کا اتباع کریں جو سب سے زیادہ مستند سنّت ہے۔ یعنی دعوت و تبلیغِ دین اور اس کی اقامت و غلبہ کے لیے جان و مال سے مجاہدہ۔"

ایک بندۂ مُسلِم کا فرض

"ایک بندۂ مومن کا کام یہ ہے کہ اپنا سب کچھ راہِ حق میں لا کر ڈال دے، اپنی قوت و صلاحیت اپنی توانائیاں اپنا مال اور اپنی جان اس کام کے لیے وقف کر دے۔ اس میں کھپا دے تو جیسا

کہ کہا گیا ہے کہ السعی منا والاتمام من اللہ " کوشش کرنا ہمارے ذمہ ہے کسی کام کی تکمیل کر دینا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ اس کام کا اتمام و تکمیل کو پہنچنا سراسر اللہ کے اذن اور اُس کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ اور اللہ کا اِذن اور فیصلہ اس کی حکمت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے ایک اجل معیّن کر رکھی ہے ہم نہیں جانتے کہ اس نے اپنے دین کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے غلبہ و اظہار کے دورِ ثانی کے لیے کون سا وقت مقرر فرمایا ہوا ہے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ دین حق کے بالفعل قائم اور نافذ ہونے تک ابھی اللہ تعالیٰ کتنے قافلوں کو اُٹھائے، جو کچھ دُور تک چلیں، چند کٹھن منازل طے کریں، اور پھر تھک ہار کر رہ جائیں۔ پھر کوئی دوسرا قافلہ ایک عزم نو کے ساتھ مترتّب ہو اور آگے بڑھے اور اس جدوجہد کو کسی خاص حد تک لے جائے ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ البتہ ہم یہ جان گئے ہیں اور یہ جان لینا ہی ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مسئول ہیں عزمِ مصمم کرنے پر، اور ہم مسئول ہیں سعی و جہد پر، ہم مسئول ہیں اپنی سی کر گزرنے پر۔ اس راہ کے کسی ایک مرحلے کی تکمیل بھی ہمارے بس میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق اور اس کی حکمت پر منحصر ہے۔"

پُرصعوبت کام

"یہ راہ جس پر گامزن ہونے کے لیے ہم ایک جذبۂ صادق اور عزمِ صمیم کے ساتھ ایک قافلہ کی شکل اختیار کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، بڑی کٹھن اور پُرصعوبت راہ ہے۔ اور اس پر چلنے کے لیے

ع "چیتے کا جگر چاہیے اور شاہین کا تجسس"

اور بفحوائے آیۂ قرآنی "ان ذالك من عزم الامور" بے شک یہ بہت ہی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

بشارت

"لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بشارت اور خوشخبری بھی پیش نظر رکھیے کہ ہمارے ربّ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ " والذین جٰھدوا فینا لنھدینھم سبلنا " اور جو لوگ ہماری راہ میں لگیں گے، کھپیں گے، جدوجہد کریں گے ان کو ہم یقیناً اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے"، مزید برآں یہ کہ اس راہ میں کھپ جانے

والوں، اپنی جان کی توانائیاں لگانے والوں اور اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی کو صرف کرنے والوں کو اللہ اپنا "انصار" قرار دیتا ہے۔ ایک بندہ عاجز کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کا رب، اس کا آقا و مالک اور اس کا خالق اسکو انصاری (یعنی اپنا مددگار) قرار دے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔"

فرائض کا مقام

"قرآن حکیم ہی سے یہ بات ہم پر واضح ہوئی ہے کہ نوافل کا درجہ فرائض کے بعد ہے اور فرائض کا جو تصوّر ہمارے ہاں رائج ہو چکا ہے کہ نماز، حج اور زکوٰۃ ہی بس فرائض دینی ہیں تو دراصل یہ اسلام کے قانونی اور فقہی فرائض ہیں اور بلاشبہ صحیح اور حقیقی فرائض ہیں اور حدیث صحیحہ کی رُو سے یہ "ارکان اسلام" ہیں۔ اور ہر دور اور ہر مرحلے میں اُن کی بجا آوری فرض ہے۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ ان فرائض کے ضمن میں تمام تفصیلی احکام ہمارے ائمہ و فقہا نے اس دور میں مدوّن کیے تھے کہ جب اسلام ایک غالب اور عالمگیر قوّت کی حیثیت سے دنیا میں موجود تھا اور کرۂ ارضی کے ایک قابل ذکر حصہ میں شریعت اسلامی اور نظامِ قرآنی بالفعل قائم و نافذ تھا۔ اس غلبہ دینِ حق کے دور میں اقامتِ دین کی سعی و جدوجہد فرائض کی فہرست میں داخل نہیں تھی۔ اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے لیکن اس وقت جب کہ حق غالب نہ ہو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اور خاتم النبیین والمرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت نافذ نہ ہو ——— اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کا اٹل اصول ہمارے تمام دنیوی اُمور میں جاری و ساری نہ ہو۔ احکامِ خداوندی خود مسلم معاشرے میں پائمال کیے جا رہے ہوں اور سنت رسول کا استہزاء ہو رہا ہو تو اس وقت ان فرض عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ سب سے مقدّم اور سب سے اہم فرض حق کو غالب کرنے کی سعی و جہد کرنا ہے۔ اس جدوجہد اور سعی و کوشش اور کشمکش کے ساتھ نماز ہے تو صحیح نماز ہے، روزہ ہے تو صحیح روزہ ہے، حج ہے تو صحیح حج ہے، زکوٰۃ ہے تو صحیح زکوٰۃ ہے۔ یہ ہے وہ گہرا احساسِ فرض جس کی بنا پر ہیں نے آپکو پکارا ہے کہ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ ـــ؟"

ایمان کے رکن

"حاصل کلام یہ ہے کہ جب حق مغلوب ہو تو وہ شخص ہرگز حقیقی دین دار نہیں ہے جس کی توانائیاں دنیا کمانے میں صرف ہو رہی ہوں، چاہے وہ حلال وحرام کی قیود کی پوری پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر ہی کمائی کر رہا ہو اور اس کمائی سے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی ادا کر رہا ہو

میرے نزدیک از رُوئے قرآن حکیم جب حق غالب نہ ہو، ایک معاشرے میں اللہ کی شریعت نافذ نہ ہو، دنیوی تمام معاملات، احکام و ہدایاتِ خداوندی اور سنّتِ رسول و خلفاء راشدین مہدیین کے تابع نہ ہوں بلکہ سراسر اس کے خلاف ہوں تو ایک سچے اور حقیقی مسلمان کا اولین فرض بلکہ اس کی غیرت وحمیتِ دینی کا اولین تقاضا اظہار دین حق اور اعلائے کلمۃ الحق اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی جدوجہد ہے۔ اگر اوامر و احکام الٰہی کی خلاف ورزی اور پائمال ہونے پر اس کے خون اور اس کی غیرت وحمیتِ دینی میں جوش نہیں آتا۔ اگر نواہی کی ترویج اور پیروی اور سنت رسولؐ کے استہزاء کو دیکھ کر اس میں غم و غصّے کی حرارت پیدا نہیں ہوتی۔ اگر طاغوتی اور باطل نظام کے بدلنے کے لیے اس میں کوئی داعیہ نہیں اُبھرتا۔ اگر پُرمعصیت ماحول میں اس کا دم نہیں گھٹتا۔ اور اس پر چین و آرام حرام نہیں ہوجاتا بلکہ وہ اس ماحول میں پاؤں پھیلا کر اور بےخبر ہوکر سوتا رہتا ہے۔ دنیا کی کمائی یا انفرادی زہد و عبادت ہی کافی سمجھتا ہے تو ایسے شخص کو یہ حدیث قدسی پیش نظر رکھنی چاہیے جو ہر اُس مسلمان کو جس کے دل میں ذرے کے برابر بھی ایمان ہے لرزاں و ترساں کرنے والی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستیوں کو ان کے رہنے والوں سمیت اُلٹا دو" حضورؐ نے فرمایا کہ اس پر حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ پروردگار! ان میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے چشم زدن کی مدت بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی،" آنحضورؐ نے فرمایا کہ "اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اُلٹ ڈالو انھیں پہلے اس

پر بھر دوسروں پر، اس لیے کہ اس کے چہرے کی رنگت کبھی
میری (غیرت اور حمیت) کی وجہ سے متغیر نہیں ہوئی۔"

تواصی بالحق اور اقامت و اظہار دین حق کی جدوجہد سعی کوشش اور کشمکش کے ساتھ دوسرے فرائض دینی کی ادائیگی بلاشبہ موجب اجروثواب ہے جو بلاشبہ ارکان اسلام ہیں۔ اس بات کو مزید سمجھنے کے لیے سورۂ حجرات کی یہ آیت اپنے ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ
لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ٥ آیت ۱۵)

"بلاشبہ مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے
رسول پر پھر کسی شک اور ریب میں نہیں پڑے اور جنھوں نے
جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ
میں، پس یہی لوگ (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔"

ہماری قوم کے مختلف تصورات دین

"ہم نے تنظیم اسلامی کے قیام کا عزم اس بنیاد پر کیا ہے کہ فی الواقع معاشرے میں خالص دین حق کی اقامت کے لیے کوئی ہیئت اجتماعیہ موجود نہیں ہے۔ فی الوقت صورت واقعہ یہ ہے کہ ہمارے موجودہ مسلم معاشرہ میں اسلام کے نام سے بیسیوں دین چل رہے ہیں۔ یہاں عید میلاد النبیؐ کے جلسوں، جلوسوں، مولود شریف اور محفل میلاد کے نام سے مجلسوں کا بھی ایک دین موجود ہے۔ یہ بھی ایک مکمل دین ہے۔ اس کے اپنے عقائد و نظریات اور ایمانیات ہیں۔ اس عوامی دین میں ارکان دین کی پابندی ہی شاذ ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر ہی کیا! یہاں عرسوں اور سماع کی محفلوں اور قبور پرستی کا بھی ایک دین ہے۔ جس کے معتقدات اور ہیں۔ یہاں تعزیوں، مرثیوں، نوحہ گری، سینہ کوبی کا بھی دین موجود ہے۔ اس دین کے افکار اور عقائد اور ہیں۔ یہاں امام معصوم کے قائلین کا دین اور ہے۔ جس کے ماننے والوں کے ایک فریق امام غائب کے قائل ہیں اور ظہور کے منتظر

ہیں۔ اور ایک گروہ کا اہم حاضر و موجود ہے ۔ ان دینی تصوّرات کے حاملین کے نزدیک سود لینا اور دینا، اسمگلنگ میں ملوث ہونا، غلط حسابات رکھنا، حلال وحرام کی تمام قیود کو نظرانداز کر دینا ان کی دین داری میں قطعی کوئی خلل نہیں ڈالتا، بشرطیکہ وہ بعض دینی ظواہر کی پابندی بھی کرتے رہیں اور دینی مدرسوں کو چندہ بھی ادا کرتے رہیں۔ یہاں سیاسی جماعتوں کا دین اور ہے ان کے نظریات و تصوّرات اور اس کے نزدیک صدارتی نظام کی بجائے پارلیمانی نظام کی بحالی کی جد و جہد کرنا، بالغ رائے دہی کے اصول کو منوانے اور جمہوریت کے قیام کی کوشش کرنا عین خدمتِ اسلام ہے اور ان کے نزدیک مغرب کی لادین جمہوریت کے اصولوں اور طرز پر حزب اقتدار کے مقابلہ میں حزب اختلاف کو منظم کر لینا اور اربابِ اختیار کو اپنی تیز و تند تنقیدوں کا ہدف بنانا ہی اعلائے کلمۃ اللہ اور افضل الجہاد کلمۃ حقٍ عند سلطان جابر کے مصداق ہے۔ ملک کے رائے دہندگان کو اپنی پارٹی یا احزابِ اختلاف کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرنا بحالی جمہوریت، شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کے مطالبات پیش کرنا مہنگائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہنا ہی ان کے نزدیک اقامتِ دین کی سعی و جہد کے مراحل میں شامل ہے۔ مبتدعانہ اور مشرکانہ نظریات و عقائد اور رسوم و افعال سے صرفِ نظر کرنا ان سے مداہنت برتنا بلکہ عوام الناس کی خوشنودی کے لیے ان کو سند جواز بخشنا اور ان کو اختیار کر لینا حکمت عملی ہے۔ یہاں صاحبِ اختیار و اقتدار اور حکام ریاست کا دین اور ہے۔ حکومت کی سطح پر چند تہوار منا لینا، قبروں پر چادریں چڑھا دینا، مقابر و مزارات کی نگرانی کر لینا اور ان پر طلائی و نقرئی دروازے یا جالیاں نصب کرا دینا خاص خاص مواقع پر اسلام کی قصیدہ خوانی میں بیانات جاری کر دینا اور اپنے جلسوں جلوسوں میں اسلام زندہ باد کے نعرے لگوا دینا ان کے نزدیک بس اصل دین ہے۔ یہاں ملازم پیشہ مزدوروں اور کاشت کاروں کا دین اور ہے، دانش وروں کا جو مزدکی کے فلسفہ سے متاثر ہیں اور جن کے اذہان و افکار پر اشتراکیت کا تسلط ہے، دین اور ہے۔ یہاں جو یوگ یونانی اور ویدک فلسفوں سے مرعوب ہیں ان کا تصوّف

کے نام سے دین اور ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں مُرجیہ بھی موجود ہیں جو اس مخصوص نام سے تو متعارف نہیں، لیکن ہمارے سوادِ اعظم کا حال یہ ہے کہ ان کے نزدیک ایک مسلمان گھرانے ہی میں پیدا ہو جانا ——— حالانکہ اس پیدائش میں ان کے اپنے ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہیں ——— اور محض زبان سے ایمان کا اقرار کر لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔"

بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے زیرِ تشکیل تنظیم اسلامی کی خصوصیات کے متعلق فرمایا۔

اہم خصوصیات

"ہماری اس تنظیم کی سب سے اہم اور سب سے عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس "دعوت رجوع الی القرآن" پر قائم ہو رہی ہے۔ اس کا پہلا مرحلہ وہ تھا کہ جب قرآن حکیم کے ذریعہ دعوت و تبلیغ انذار و تبشیر، تذکیر و تزکیہ اور تطہیر افکار و اعمال کا کام انجام دیا گیا۔ لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کی گئی کہ منبع ایمان اور سرچشمہ یقین قرآن حکیم ہی ہے۔ علم و حکمت کا خزینہ یہی اللہ کی آخری کتاب ہے۔ موعظۂ حسنہ بھی یہی اور ذکریٰ بھی یہی کتاب اللہ ہے۔ شفاء للنّاس بھی یہی ہے اور دلوں میں حقیقی یقین بھی اس سے پیدا ہوگا۔ تربیت اس سے ہوگی، تعلیم اس سے حاصل ہوگی۔ قلوب میں ایمان کی شمع اس سے فروزاں رہے گی۔ عمل کا داعیہ اسی کی دعوت و تبلیغ سے بیدار ہوگا دنیوی فوز و فلاح اور اُخروی نجات کا ذریعہ بھی یہی کتاب اللہ ہے۔ مزید برآں ہمارے نزدیک قرآن حکیم وحی متلو ہے اور حدیث شریف وحی غیر متلو احادیث صحیح، قرآن مجید سے کوئی جدا چیز نہیں بلکہ وہ قرآن حکیم کی تشریح و تبیین ہیں۔ لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ کتاب و سنت ایک وحدت ہیں۔"

اساسی طریق کار

"اس اساسی خصوصیت سے ایک بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خصوصیت ہماری دعوت کو دوسری تمام دینی تحریکوں اور دعوتوں سے ممتاز کرنے والی چیز ہے۔ ان شاء اللہ العزیز ہماری تنظیم کا اوڑھنا بچھونا اللہ کی کتاب ہی رہے گی۔ یہی قرآن حکیم ہمارا مرکز و محور ہوگا۔ ہماری ساری جدّ و جہد میں رہنمائی

کا مقام اسی ھدیً للناس کو حاصل رہے گا۔ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مشعل راہ ہو گی۔

لیکن یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ یہ اساسی طریق کار ہے۔ دعوت و تبلیغ، اور تزکیہ و تربیت کے لحاظ سے تو قرآن حکیم ہی سب کچھ ہے، لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ دعوت و تبلیغ اور تربیت کے ساتھ تنظیم کا مرحلہ آتا ہے۔ تنظیم کے بعد جہاد کے مراحل شروع ہوتے ہیں۔ ان مراحل میں مدافعت (PASSIVE RESISTANCE) بھی ہے۔ اور اقدام (ACTIVE RESISTANE) بھی ہے۔ اسی میں ہجرت کا مرحلہ بھی آتا ہے جس کا احادیث صحیحہ کی رُو سے ہر اس چیز کو چھوڑ دینا اور ترک کر دینا مراد ہے۔ جو دین حق کے مطابق زندگی بسر کرنے میں حارج و مانع ہو۔ چاہے وہ وطن ہو، عزیز و اقارب ہوں، چاہے وہ جاہ و حشمت اور مال و منال ہو۔ قتال اس راہ کی بلند ترین منزل ہے جس میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے نقد جاں کی نذر گزارنی ہوتی ہے اور یہی معراج مومن ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

یا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

یہ تمام مراحل وہ ہیں جن کے لیے ایک منظم جماعت کی ضرورت ناگزیر ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انا امرکم بخمس، بالجماعة والسمع والطاعة والهجرة والجهاد فی سبیل الله۔"

لہٰذا تیسری خصوصیت کے طور پر یہ فرمانِ نبوی ہماری تنظیم کی تشکیل میں ہمیشہ پیش نظر رہے گا۔"

بھاری ذمّہ داری

"مجھے احساس ہے کہ تنظیم اسلامی کے قیام کا عزم کر کے ایک بہت بڑی ذمّہ داری کا بوجھ میں نے اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھایا ہے" "من آنم کہ من دانم" حقیقت یہ ہے کہ اگر محاسبۂ اُخروی کا شدید احساس نہ ہوتا تو میں یہ ذمّہ داری اٹھانے کے لیے ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ ادائیگیٔ فرض کے احساس ہی نے دراصل مجھے یہ ذمّہ داری اُٹھانے پر آمادہ کیا ہے۔ میں اس بات کو متعدد بار واضح کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ میرے مطالعۂ علم اور میری عقل وفہم کی حد تک یہ طریق بالکل مصنوعی اور تصنع آمیز ہے کہ میں آپ سے یہ کہوں کہ میں نے ایک دعوت دی اس کو قبول کرنے والوں کو جمع کر دیا۔ اب جو حضرات اس دعوت کو قبول کر کے اس کام کو منظم طریقہ پر آگے بڑھانے کے آرزومند ہوں وہ ایک ہیئتِ اجتماعیہ تشکیل دیں اور اس اجتماعیت کے لیے اپنا سربراہ منتخب کر لیں اور پھر دستور میں کوئی مدّت مثلاً "تین سال یا پانچ سال" مقرر ہو جس کے بعد جماعت کی اکثریت کی آراء سے سربراہ کا انتخاب عمل میں لایا جایا کرے۔ میرے نزدیک صحیح دینی و اسلامی تنظیم کی نہج اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایسی تنظیم جس شخص کی دعوت پر ہیئتِ اجتماعیہ اختیار کرتی ہے وہی شخص اس تنظیم کا فطری سربراہ ہوتا ہے۔ میرے اس خیال کی بنیاد سورۂ صف کی آخری آیت کا یہ ٹکڑا ہے کہ 'مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰہِ' اور یہ بھی ہماری تنظیم کو دوسری دینی اسلامی جماعتوں کے مقابلے میں ایک بنیادی خصوصیت کا حامل بنا دے گا۔"

"میں آپ سے اس کام میں تعاون کا، نصرت کا اور امداد و اعانت کا طلب گار ہوں اور ساتھ ہی بااصرار آپ سے عرض کرتا ہوں کہ جو میرا ساتھ دے وہ اس بات کو بھی اپنی دینی ذمّہ داری سمجھ کر دے کہ جہاں مجھے غلط ہوتا دیکھے، مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے مجھے روکے، مجھے ٹوکے، مجھ سے لڑے، مجھ سے جھگڑے، میرا محاسبہ کرے اور کوئی رو رعایت نہ کرے۔ یہ آپ کا حق ہی نہیں بلکہ آپ کا فرض ہو گا۔"

قراردادِ تاسیس اور اُن کی توضیحات کی منظوری

اس پہلی نشست میں جناب ڈاکٹر صاحب کے افتتاحی خطاب کے بعد تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس اور اس کی توضیحات پیش کی گئیں۔

قرارداد تاسیس

"آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات' دین کا اصل موضوع ہے اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔

لہٰذا پیش نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ اس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کماحقہ' لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جِلا حاصل ہو' ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو' عبادات اور اتباعِ سنّت سے ان کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے' عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام امور کے لئے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیرِ صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔

دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک "اَلدِّین النَّصِیحَہ" کی روح اور "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" کی تدریج ضروری ہے۔ لہٰذا دعوت و اصلاح کے عمل کو فرد سے اولاً کنبہ اور خاندان اور پھر تدریجاً ماحول کی جانب بڑھنا چاہیئے اس ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

عامتہ النّاس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری امتِ مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے' اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیتِ قدیمہ کے باطل عقائد و

رسوم اور دورِ جدید کے گمراہ کُن افکار و نظریات کا مدلّل ابطال کیا جائے اور حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ ان کی اصلی حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دور کے لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں"۔

توضیحات

قرار داد میں جن امور کی وضاحت کی گئی ہے ان میں اوّلین اور اہم ترین امر یہ ہے کہ "ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اسی کی اخلاقی اور روحانی تکمیل اور فلاح و نجات' دین کا اصل موضوع ہے اور پیشِ نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے اصل نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے"!..... اس تصریح کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ماضی میں مسلمانوں کو ان کی یہ ذمہ داری تو بالکل ٹھیک یاد کرائی گئی کہ جس دین کے وہ مدّعی ہیں اسے دنیا میں عملاً قائم کرنے کی سعی و جہد بھی ان پر فرض ہے اور یہ کہ دین محض ذاتی عقائد اور کچھ مراسم عبودیّت یعنی انسان اور رب کے مابین پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی کو اپنے احاطے میں لینا چاہتا ہے لیکن ان امور پر اس قدر زور دیا گیا کہ بندے اور رب کے مابین تعلق کی اہمیت اور افراد کی اپنی عملی' اخلاقی اور روحانی ترقی نظر انداز ہوتی چلی گئی' آئندہ جو کام پیشِ نظر ہے اس کے اصول و مبادی میں یہ نکتہ بہت زیادہ قابلِ لحاظ رہے گا کہ ایک مسلمان کا اصل نصب العین صرف نجاتِ اخروی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے اور اس کے لئے اسے اصل زور اپنی سیرت کے تطہیر و تزکئے اور اپنی شخصیت کی تعمیر و تکمیل پر دینا ہو گا جس سے تعلق مع اللہ اور محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ ہوتا رہے اور زیادہ سے زیادہ اخلاص پیدا ہوتا چلا جائے۔ دین کی تائید و نصرت اور شہادت و اقامت یقیناً فرائضِ دینی میں سے ہیں لیکن ان کے لئے کوئی ایسی اجتماعی جدوجہد ہرگز جائز نہیں ہے جو افراد کو ان کے اصل نصب العین سے غافل کر کے انہیں محض ایک دنیوی انقلاب کے کارکن بنا کے رکھ دے!..... چنانچہ پیشِ نظر اجتماعیت میں اوّلین زور افراد کی دینی و اخلاقی تربیت پر دیا جائے گا اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے گا کہ..... "اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو' ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو' عبادات اور اتّباعِ سنت سے ان کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے' عملی

زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے"۔

"دینی جذبات کے جِلا" کے لئے قرآن مجید کی بلا ناغہ تلاوت مع تدبّر' سیرتِ نبویؐ ور سِیَر الصحابہؓ کا مطالعہ' مجالس وعظ کا انعقاد' باہمی مذاکرۂ آخرت اور مضامین موعظت پر مشتمل آسان لٹریچر کی اشاعت پر زور دیا جائے گا۔

"علم میں مسلسل اضافے" کیلئے عربی زبان کی تحصیل کی عام ترغیب اور اس کا اہتمام قرآن حکیم اور حدیثِ نبویؐ کے باقاعدہ حلقہ ہائے درس کا قیام اور جاہلیتِ قدیمہ و جدیدہ پر اسلام کے نقطۂ نظر سے تنقیدی کتب کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔ مندرجہ بالا دونوں امور سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جاہلیتِ قدیم و جدید دونوں کے اثرات قلوب و اذہان سے محو ہوں' عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو اور صحیح اسلامی عقائد کی تخم ریزی و آبیاری ہو سکے۔

شرکائے تنظیم کے دینی جذبات کے جلا اور علم میں اضافے کا براہ راست اثر عملی زندگی پر پڑے گا اور ان کی زندگیوں میں دینی تبدیلی عملاً پیدا ہوتی چلی جائے گی لیکن اس میدان میں اس امر کی شدید ضرورت ہو گی کہ اس بات کی کڑی نگرانی کی جائے کہ یہ تبدیلی ہمہ جہتی ہو اور اعمالِ انسانی کے مختلف گوشوں میں متناسب انداز میں ظہور پذیر ہو۔ چنانچہ عبادات میں ذوق و شوق' معاملات میں احتیاط و تقویٰ اور دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں میں شغف اور دلچسپی متناسب انداز میں بڑھے۔ یہ صورتِ حال کہ جلسوں کے انعقاد کے ضمن میں تو پابندی بھی ملحوظ رہے اور جوش و خروش کا بھی مظاہرہ کیا جائے لیکن نماز با جماعت کی پابندی گراں محسوس ہو اور نوافل سرے سے خارج از بحث ہو جائیں۔ دین کی نصرت و حمایت کا جذبہ تو ترقی کرتا چلا جائے لیکن تزکیۂ باطن کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے' یا سنتِ نبویؐ کی حجیّت و اہمیت پر دلائل تو ازبر ہوں لیکن خود اپنی زندگی میں اتباعِ نبویؐ کی جھلک نظر نہ آئے' نہ صرف یہ کہ افراد کے حق میں سم قاتل ہے بلکہ خود اجتماعیت کے لئے بھی سخت مضر اور مہلک ہے...... لہٰذا اس امر کی کڑی نگرانی ضروری ہو گی کہ شرکاء میں عبادات سے شغف' اتباعِ سنت کا جذبہ' معاملات میں حلال و حرام کی حدود و قیود کی پابندی اور دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں سے دلچسپی توافق و تناسب کے ساتھ بڑھے۔ خصوصاً یہ احتیاط تو انتہائی لازمی ہو گی کہ پیش نظر اجتماعیت کے تنظیمی ڈھانچے میں جو لوگ آگے آئیں وہ تیزی و مستعدی اور نفاست و باقاعدگی سے کام کرنے کی صلاحیت کے اعتبار

سے چاہے کسی قدر تہی دست ہوں' عبادات اور اتباعِ سنت کے ذوق و شوق سے ہر گز تہی دامن نہ ہوں۔

شرکائے جماعت میں مندرجہ بالا تبدیلیاں...... یا بالفاظِ دیگر ان کے نفوس کے تزکیہ اور ان کی شخصیت کی دینی تعمیر کے لئے جہاں ذہنی و علمی رہنمائی اور فکری تربیت لازمی و لابُدی ہیں وہاں عملی تربیت اور تاثیرِ صحبت کا مؤثر اہتمام بھی ضروری و ناگزیر ہے۔ اس غرض کے لئے مختلف مقامات پر تربیت گاہوں کا سلسلہ بھی شروع کیا جاسکتا ہے اور ایک ایسی مرکزی تربیت گاہ کا قیام بھی عمل میں لایا جا سکتا ہے جس میں مختلف مقامات کے رفقاء گروپس کی صورت میں شریک ہوں اور ایک مقررہ میعاد میں انہیں قرآن و حدیث کے منتخب حصص کا درس بھی دیا جائے اور ایک ایسی دینی فضا بھی مہیا کی جائے جس میں ان کے دینی جذبات بھی از سرِ نو تر و تازہ ہوں اور ایک خالص اسلامی زندگی بسر کرنے کا عملی تجربہ بھی حاصل ہو جائے۔

قرار داد کے بنیادی نکات میں سے دوسرا اہم اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ...... "دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ' کی روح اور اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَب کی تدریج ضروری ہے"۔ پیش نظر اجتماعیت لازماً یہ چاہے گی کہ اس کا ہر شریک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں داعی الی اللہ اور اپنے ماحول میں حسبِ مقدور و صلاحیت اور بقدر ہمت و استطاعت ہدایت کا ایک روشن چراغ بن کر رہے اور اس کی شخصیت پر بحیثیتِ مجموعی داعیانہ رنگ غالب ہو جائے۔

اس دعوت کا اصل محرک ابنائے نوع کی ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہئے اور اس میں نہ تو اپنی شخصیت کی نمود کا کوئی شائبہ شامل ہونا چاہئے نہ طلبِ جاہ کا۔ حتیٰ کہ اللہ' رسولؐ اور شریعت کی وفاداری کے جذبے کے تحت اگر کبھی کسی فرد' گروہ یا ادارے پر تنقید کی نوبت آجائے تو اس میں بھی ہمدردی اور دلسوزی غالب رہے اور ذاتی رنجش یا انتقامِ نفس کا کوئی شائبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

اس سلسلے میں یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ...... ہمارے معاشرے کا مجموعی مزاج اگرچہ دین سے بہت دور جاچکا ہے اور اس اعتبار سے انتہائی اصلاح طلب ہے لیکن دعوت و اصلاح کے عمل میں دو حقائق کا لحاظ ضروری ہے۔ ایکؔ یہ کہ یہ معاشرہ ایک مجموعی اکائی ہے اور اس کے تمام طبقات میں انحطاط سرایت کر چکا ہے۔ اس اعتبار سے اس کے مختلف طبقات میں کمیت کا تھوڑا بہت فرق چاہے موجود ہو کوئی بنیادی امتیاز موجود نہیں ہے۔

——————— اور دوسرے یہ کہ انحطاط براہ راست نتیجہ ہے جذباتِ ایمانی کے ضعف اور کتاب و سنت کے علم کی کمی کا۔ اس میں دین دشمنی کا عنصر چند ایسی استثنائی صورتوں کے سوا موجود نہیں ہے جو اگرچہ بجائے خود تو بہت خطرناک ہیں اور ان سے خبردار رہنے کی بھی ضرورت ہے تاہم مجموعی اعتبار سے ہمارے معاشرے کے عام بگاڑ کا اصل سبب دین دشمنی نہیں بلکہ دین سے لاعلمی ہے! حکومت اس معاشرے کا جامع عکس اور اربابِ اقتدار اس کا اہم جزو ہیں۔ ان کو اپنی اہمیت اور معاشرے میں اثر و نفوذ کی قوت و صلاحیت کے اعتبار سے دعوت و تخاطب میں اولیت تو دی جا سکتی ہے اور دی جانی چاہئے لیکن انہیں دین کا دشمن قرار دے کر ان کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے عوام کے دینی جذبے کو مشتعل کرنا درانحالیکہ خود عوام کی ایک عظیم اکثریت کا حال دین سے بے خبری اور عملی بُعد کے اعتبار سے خود کم و بیش وہی ہے جو اصحاب قوت و اختیار کا'

نہ ان کی خیرخواہی ہے نہ خود دین کی۔ ——————— رہا اقتدار کے حصول کی خاطر برسرِ اقتدار طبقے کے مخالف و معاند کی حیثیت اختیار کرنا تو یہ ہمارے نزدیک دینی نقطۂ نگاہ سے نہایت مضر ہی نہیں سخت مہلک ہے جس سے کلی اجتناب لازمی و لابدی ہے۔ ہمارے نزدیک "ائمۃ المسلمین" اور "عامتہم" دونوں ہی نصح و خیرخواہی کے برابر مستحق اور دعوت و اصلاح کے یکساں محتاج ہیں!

یہاں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ ہماری دانست میں انتخابات کے ذریعے عمومی اصلاح کا نظریہ نری خام خیالی پر مبنی ہے' بحالاتِ موجودہ تو اس امر کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے کہ انتخابات کے ذریعے اصلاح کی امید کی جائے۔ ویسے بھی ہماری رائے میں انتخابات میں دوسری جماعتوں کے مخالف و مقابل کی حیثیت سے شرکت' دعوت و اصلاح کے صحیح نہج کے منافی ہے اور اس سے قبولِ حق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

داعی کے قلب میں اپنے ابنائے نوع کے لئے جس ہمدردی اور نصح و خیرخواہی کا ہونا لازمی ہے' اسی کا ایک اہم مظہر رافت و رحمت اور شفقت و رقت کا وہ جذبہ ہے جو ابنائے نوع کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور عملی زندگی میں خدمتِ خلق اور ایثار و انفاق کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ دعوتِ دین اور خدمتِ خلق کا ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں بلکہ بلاخوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین کا وہ داعی جو خادمِ خلق نہ ہو اپنی دعوت میں دولتِ اخلاص سے محروم ہے۔ اس ضمن میں

یہ فرق البتہ ضرور پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ خدمتِ خلق کی اجتماعی سکیموں کو زیرِ عمل لانا بالکل دوسری بات ہے اور افراد میں خدمتِ خلق کے جذبے کا پیدا ہونا اور بڑھنا بالکل دوسری چیز ہے۔ خدمتِ خلق کی اجتماعی سکیموں کی اہمیت اپنی جگہ کتنی ہی مسلم ہو' دعوتِ دین کے نقطۂ نظر سے اصل مطلوب افراد کے قلوب میں شفقت و رحمت کے جذبے اور عمل میں ایثار و انفاق کی کیفیت کا ظہور ہے۔ پیشِ نظر اجتماعیت میں اصل زور انشاء اللہ اسی پر دیا جائے گا!

دعوت کے ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس کا تخاطب لازماً ایک تدریج کے ساتھ داعی کے اپنے نفس سے شروع ہو کر (عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ) اپنے اہل و عیال (قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا) اور کنبے قبیلے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ) سے ہوتے ہوئے اپنی قوم (يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ) اور پھر پوری انسانیت (لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) تک پہنچنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت کہ داعی اپنے آپ کو بھول جائے اور برّ و تقویٰ کی ساری دعوت دوسروں کو دیتا رہے (اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ) یا اپنے خاندان اور کنبے قبیلے کو تو بھول جائے اور دور دراز کے لوگوں میں ہدایت کی سوغات بانٹنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ نہایت خطرناک مرض کی علامت ہے۔ دعوت کے عمل کا صحیح نہج یہ ہے کہ اَلْاَ قْرَبُ فَالْاَ قْرَبُ کے اصول پر آگے بڑھے اور جس سے جتنی قربت اور محبت داعی کو ہو دعوت و تخاطب میں اسی قدر اسے مقدم رکھا جائے۔ اس سلسلے میں یہ خیال البتہ صحیح نہ ہو گا کہ ایک مرحلے کی تکمیل کے بعد ہی دوسرا مرحلہ شروع کیا جائے۔ مطلوب صرف یہ ہے کہ دعوت کے عمل کو ایک فطری تدریج اور حسین تناسب کے ساتھ اپنی ذات' اہل و عیال' کنبے قبیلے اور پھر عوام النّاس تک بڑھنا چاہئے۔

اس سلسلے میں ہمیں اپنی اولاد اور فی الجملہ نئی نسل کے بارے میں خصوصی توجہ و اہتمام سے کام لینا ہو گا اس لئے کہ ان کے بارے میں ہم حدیث نبویؐ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ ...... الخ کی رو سے براہ راست مسئول اور ذمہ دار ہیں۔ اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کا یہ اہتمام ذاتی و انفرادی بھی ہو گا اور جہاں جہاں ممکن ہو گا اور وسائل دستیاب ہو سکیں گے اس امر کی سعی بھی کی جائے گی کہ ایسے مدارس اپنے اہتمام میں قائم کئے جائیں جن میں نئی نسل کے قلوب و اذہان میں ایمان کی تخم ریزی و آبیاری اور اخلاقی و عملی تربیت کا بندوبست کیا جائے۔

وسائل دعوت کے ضمن میں کوئی تعیّن غیر ضروری ہے۔ حسبِ صلاحیت و استعداد انفرادی و نجی گفتگو، خطاب ہائے عام، خطباتِ جمعہ اور درسِ قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے تمام جدید طریقوں کو اختیار کیا جاسکتا ہے!

قرارداد کا تیسرا اہم نکتہ "عامۃُ النّاس کو دین کی دعوت و تبلیغ" کی اس ذمہ داری سے بحث کرتا ہے جو "امّتِ مسلمہ پر بحیثیتِ مجموعی عائد ہوتی ہے" ہمارے نزدیک انذار و تبشیر دعوت و تبلیغ اور شہادتِ حق علی النّاس کی جو ذمہ داریاں انبیائے کرام علیہم السلام پر عائد ہوا کرتی تھیں۔ وہ اب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت و رسالت کے ختم ہو جانے کے بعد آپؐ کی امت پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہیں اوّل اوّل اس امّت نے "خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ" کے نظام کے تحت اپنی اس ذمہ داری کو اجتماعی حیثیت سے ادا کیا۔ خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے خاتمے کے بعد بھی ایک عرصے تک مسلمان حکومتیں اس فرضِ منصبی کو ادا کرتی رہیں۔ اس کے بعد ایک طویل عرصے تک اتقیاء و صلحا ذاتی طور پر دور دراز علاقوں میں پہنچ کر دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ ادھر عرصے سے یہ سلسلہ بھی تقریباً ختم ہو چکا ہے اور امتِ مسلمہ بحیثیتِ مجموعی "کتمانِ حق" کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ امت کی تمام اجتماعی سرگرمیاں صرف اپنے دفاع اور دنیوی ترقی و استحکام تک محدود ہیں۔ کچھ تھوڑا بہت دینی رنگ کسی اجتماعی سرگرمی میں ہے بھی تو وہ محض امت کی داخلی اصلاح کی حد تک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت حال تشویشناک ہے اور اس سے نہ صرف یہ کہ اُخروی بازپرس کا اندیشہ ہے، بلکہ ہماری رائے میں ہماری دنیوی نکبت و ذلت کا اصل سبب بھی یہی ہے!

اس ضمن میں ہمارے نزدیک اس وقت کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ ایک طرف ادیانِ باطلہ کے مزعومہ عقائد کا مؤثر و مدلّل ابطال کیا جائے اور دوسری طرف مغربی فلسفہ و فکر اور اس کے لائے ہوئے زندقہ و الحاد اور مادّہ پرستی کے سیلاب کا رخ موڑنے کی کوشش کی جائے اور حکمتِ قرآنی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست جوابی علمی تحریک برپا کی جائے جو توحید، معاد اور رسالت کے بنیادی حقائق کی حقانیت کو بھی مبرہن کر دے اور انسانی زندگی کے لئے دین کی رہنمائی و ہدایت کو بھی مدلّل و مفصّل واضح کر دے۔ ہمارے نزدیک اسلام کے حلقے میں نئی اقوام کا داخلہ، اور جسدِ دین میں نئے خون کی پیدائش ہی نہیں خود اسلام کے موجود الوقت حلقہ بگوشوں میں حرارت ایمانی کی تازگی اور دین و شریعت کی عملی پابندی اسی کام کے ایک مؤثر حد

تک تکمیل پذیر ہونے پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کے سیلاب میں خود مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد اس طرح بہہ نکلی ہے کہ ان کا ایمان بالکل بے جان اور دین سے ان کا تعلق محض برائے نام رہ گیا ہے اور اسی بنا پر دین میں نت نئے فتنے اٹھ رہے ہیں اور ضلالت و گمراہی نت نئی صورتوں میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔

اس سلسلے میں انفرادی کوششیں تو اب بھی جیسی کچھ بھی عملاً ممکن ہیں جاری ہیں اور آئندہ بھی جاری رہیں گی۔ ضرورت اس کی داعی ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو وسائل فراہم کئے جائیں اور ایک ایسے باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو حکمتِ قرآنی اور علمِ دینی کی نشر و اشاعت کا کام بھی کرے۔ اور ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا بھی مناسب اور مؤثر بندوبست کرے جو عربی زبان' قرآن حکیم اور شریعتِ اسلامی کا گہرا علم حاصل کر کے اسلامی اعتقادات کی حقانیت کو بھی ثابت کریں اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے جو ہدایات اسلام نے دی ہیں انہیں بھی ایسے انداز میں پیش کریں جو موجودہ اذہان کو اپیل کر سکے۔

آخر میں اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ پیش نظر تنظیم ہرگز "الجماعت" کے حکم میں نہ ہو گی۔ الجماعۃ کا مقام ہماری دانست میں امت مسلمہ کو بحیثیت مجموعی حاصل ہے۔ پیش نظر اجتماعیّت کی حیثیت مسلمانوں کی ایک ایسی تنظیم کی ہو گی جس میں وہ لوگ شریک ہوں گے جو خود اصلاحِ نفس اور تعمیرِ سیرت کے خواہش مند ہوں اور ان جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہونا چاہیں جو دین کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں تاکہ ایک طرف اُن کا باہمی تعاون ایک دوسرے کے لئے سہارا بن سکے اور دوسری طرف اصلاح معاشرہ کے لئے ایک مؤثر قوت فراہم ہو جائے...... دین کی خدمت نہایت وسیع و عظیم کام ہے اور اس کے گوشے بے شمار ہیں۔ ہم ان تمام جماعتوں اور اداروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو کسی بھی گوشے میں دین کی خدمت کا کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ ان کے ساتھ ہمارا رویہ تعاون و تائید ہی کا ہو گا۔ اپنے فہم و فکر کے مطابق ہم بھی دین کی خدمت کی ایک ادنیٰ کوشش کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور یہ توقع کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ دین کے تمام خادم ہمیں اپنے رفیقِ راہ ہی گردانیں گے...... اس تصریح کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ہم واقعۃً تمام دینی عناصر خصوصاً علمائے کرام کے تعاون کی شدید احتیاج محسوس کرتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اختتامی خطاب کے اہم نکات

قرار دادِ تاسیس اور اس کی توضیحات کی منظوری کے بعد شرائطِ شمولیت اور عہد نامۂ رفاقت نیز تین سال کے عبوری دَور کے لیے دستور طے ہوا۔ چونکہ ان میں وقتاً فوقتاً ترامیم و اصلاحات ہوتی رہیں، لہٰذا ان کو اگلے صفحات میں شامل کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے جن کو تین سال کے عبوری دَور کے لیے داعیٔ عمومی تسلیم کر لیا گیا تھا حسب ذیل اختتامی کلمات ارشاد فرماتے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰنَا اللّٰهُ

رفیقو! سارا شکر، ساری تعریف اس اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے جس نے ہماری راہِ حق کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہم ہرگز راہ یاب نہ ہوتے اگر وہی تعالیٰ اپنے کرم سے ہماری دستگیری نہ فرماتا۔ مجھے ہرگز توقع نہ تھی کہ مجھ جیسی شخصیت کی خشک دعوت اور جھڑکنے اور جھٹکنے والے انداز کے باوجود اللہ کے اتنے مخلص بندے تنظیم اسلامی کی رفاقت قبول کر لینے کے لئے جمع ہو جائیں گے۔ اس دعوت الی اللہ سے واقف ہونے سے قبل ہم میں سے اکثر کی دوسروں سے شناسائی نہیں تھی۔ ہم دوسرے سے واقف بھی نہیں تھے۔ ہماری دوستیاں اور قرابت داریاں بھی نہیں تھیں۔ ہم جمع ہوئے ہیں تو دعوت الی اللہ پر۔ کوئی دنیوی غرض ہمارے پیشِ نظر نہیں، کسی قسم کی سیاست بازی ہمیں مطلوب نہیں۔ دینی، سیاسی اور سماجی جماعتوں اور جمعیتوں کی طرح ہماری اس تنظیم میں نہ عہدے ہیں، نہ ووٹ ہیں۔ نہ مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کے مواقع ہیں، نہ مجلسِ انتظامیہ کے۔ نہ شہرت کے حصول کا کوئی موقع ہے، نہ وجاہت کا۔ ہم خالصتہً لِلّٰہ اور فی اللہ جمع ہوئے ہیں۔ اللہ ہی کے لئے ہمارا جڑنا ہے اور جس سے بھی ہم جڑیں گے اللہ ہی کے لئے جڑیں گے۔ جس سے ہم اس وقت کٹ رہے ہیں، اللہ ہی کے لئے کٹ رہے ہیں اور آئندہ جس سے بھی ہم کٹیں گے اللہ ہی کے لئے کٹیں گے۔ جو کچھ ہم تنظیم کی مالی اعانت کریں گے وہ اللہ ہی کے لئے کریں گے اور جو کچھ کسی کو دیں گے اللہ ہی کے لئے دیں گے۔ ہمارا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول اور نجاتِ اُخروی ہی ہمارا حقیقی نصب العین ہوگا۔ میں اللہ تبارک و تعالےٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور اسے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس دعوت اِلیٰ اللہ اور تنظیم قائم کرنے میں فرض کی ادائیگی کی ذمہ داری — اور رضائے الٰہی

کے حصول کے سوا اور کوئی غرض میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔ چنانچہ پورے احساسِ ذمہ داری اور احساسِ مسئولیت کے ساتھ آپ سب کو گواہ بنا کر سب سے پہلے میں "تنظیم اسلامی" کا عہدِ رفاقت اٹھاتا ہوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ عَلِيْمُ ۝ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا !

کیفیات

اُس وقت پورے اجتماع پر ایک گمبھیر خاموشی طاری تھی۔ تمام رفقاء کے چہرے تمتما رہے تھے ——————— ۔ اور اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ ان کے دلوں میں جذبات کا طوفان اُٹھ رہا ہے۔ اور ان کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے ہیں۔ جن کو وہ ضبط کیے بیٹھے ہیں۔ تعارف کی تکمیل کے بعد داعی عمومی نے عہد نامہ رفاقت تنظیم اسلامی کی ایک ایک شق کو پڑھنا شروع کیا اور تمام رفقاء اس کو دہراتے رہے۔ اس موقع پر اکثر رفقاء کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں اکثر کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور یہ اللہ کے بندے رضائے الٰہی کے لیے دعوت تجدید ایمان۔ توبہ اور تجدید عہد کے قافلہ کے رفیق بن رہے تھے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

عَنِ الحَارِثِ الاشعری، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ" (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

ایک وضاحت

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ "تنظیم اسلامی" نہ عام معنی میں دنیوی یا سیاسی جماعت ہے نہ محدود مفہوم میں مذہبی تنظیم بلکہ یہ ایک ہمہ گیر "دینی جماعت" ہے لہٰذا اگرچہ یہ خیال کرنا تو غلطی ہی نہیں عظیم گمراہی ہوگی کہ یہ اُس "الجماعۃ" کے حکم میں ہے جس میں شمولیت اسلام میں داخلے اور جس سے علیحدگی کفر کے مترادف ہے اور جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّار" یعنی جو اس سے علیحدہ ہوگا وہ علیحدہ ہی جہنم میں جھونک دیا جائے گا ــــــ تاہم اس کے نظم کو عام معاشرتی و ثقافتی انجمنوں یا طبقاتی و پیشہ ورانہ تنظیموں یا سیاسی و قومی جماعتوں کے قواعد و ضوابط کی پابندی پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہاں "سمع و طاعت" کا خالص اسلامی اور ٹھیٹھ دینی اصول کارفرما رہے گا۔ یہ بات باعادہ و بتکرار اس لئے عرض کی جا رہی ہے کہ ہمارے یہاں بعض مخلص دینی جماعتیں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس شدید غلطی بلکہ عظیم گمراہی میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ وہ "الجماعۃ" کے حکم میں ہیں۔ اس طرح وہ اُمت کی وحدت کو سخت نقصان پہنچانے اور انتشار، تحزّب اور تفرقہ پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہیں

ہم پورے شعور کے ساتھ اور صمیم قلب سے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنظیم اسلامی کو اس سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیمِ اسلامی کے پہلے سالانہ اجتماع کا خلاصہ

تنظیم اسلامی، پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع کی پہلی نشست ۲۵ مارچ اور دوسری نشست ۲۶ مارچ ۷۶ء کو لاہور میں منعقد ہوئی۔ اس اجتماع میں کُل ۷۲ رفقاء میں سے مرکزی نظم سے وابستہ ۳ کراچی کی تنظیم سے وابستہ ۹ سکھر کی تنظیم سے وابستہ ۲ لاہور کی تنظیم سے وابستہ ۴۴ منفرد رفقاء ۶۔ کُل ۶۴ رفقاء نے شرکت کی۔ دو حضرات نے اس موقع پر عہدِ رفاقت اٹھایا۔

ڈاکٹر اسرار احمد داعی عمومی
کے افتتاحی خطاب کے اہم نکات

"رفقائے محترم ـــ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ ہم اپنے پہلے سالانہ اجتماع میں شریک ہو رہے ہیں۔ اس شرکت میں اللہ تعالےٰ کی توفیق شامل ہے۔ ہم سب پر اس کا شکر واجب ہے۔ آپ کا یہاں جمع ہونا میرے نزدیک فی سبیل اللہ ہے۔ مقصد کا شعور اور اس کی لگن آپ حضرات کو پاکستان کے مختلف شہروں سے یہاں کھینچ لائی ہے۔ جس میں تائید و نصرتِ خداوندی شامل ہے۔

ہم میں سے اکثر نے ایک سال قبل اور چند رفقاء نے دورانِ سال اپنی آزاد مرضی سے اپنے رب سے تجدیدِ عہد و پیمان کیا تھا اور پورے شعور کے ساتھ اپنی حیاتِ دنیوی کا مقصد یہ قرار دیا تھا کہ: اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اسی کو ہم نے اپنی تنظیم کے لئے بطورِ اصول، بطورِ زادِ راہ اور بطورِ نشانِ منزل طے کیا تھا اور ایک قافلہ ترتیب دیا تھا۔ اسی کے ضمن میں بطورِ تذکیر میں چند امور آپ کے سامنے آج پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ہماری تنظیم کی تاسیس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ از روئے کتاب و سنت ہر مسلمان پر، مسلمان ہونے کی حیثیت سے چند اہم دینی فرائض عائد ہوتے ہیں جن کو بجا لانے کی ہر امکانی کوشش کے بغیر نجاتِ اُخروی ممکن نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا شعور بعض حضرات کو پہلے سے حاصل ہو۔ بعض کو میرے درسِ قرآن حکیم، خطابات، تحریرات اور بالخصوص مرتب کردہ منتخب قرآنی نصاب

سے حاصل ہوا ہو لیکن جو بات قدرِ مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص پر یہ فرض براہ راست عائد ہوتا ہے جس کی ادائیگی کی اس کو فکر کرنی چاہیئے ۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے "تنظیم" ضروری ہے ۔ اور چونکہ فی الوقت پاکستان میں کوئی ایسی ہیئت اجتماعیہ موجود نہیں ہے جو ان دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے کوشاں ہو ۔ جو جماعتیں یا جمعیتیں موجود ہیں تو ان میں سے اکثر وقتی و ہنگامی سیاست کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں ۔ یا کسی جزوی دینی کام کو کل دین سمجھ لینے کے مغالطہ میں مبتلا ہیں ۔ یا ان کا طریقِ کار قرآن و سنّت میں بیان کردہ طریقِ کار اور منہج سے کامل طور پر مطابقت نہیں رکھتا اس کے کسی ایک جزو کو وہ کُل سمجھنے کی غلط فہمی کا شکار ہیں ۔"

رفقائے محترم ۔ اصولی تنظیموں اور جماعتوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کو مستحضر رکھیں ، اس لئے اب میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے ان مقاصد کو تازہ کرلیں جن کی بجاآوری کے لئے ہم "تنظیم اسلامی" میں شامل ہوئے ہیں ۔

● اس تنظیم کا پہلا مقصد یہ ہے کہ اس کا ہر رفیق اپنے مقصدِ تخلیق کو ہر وقت اور ہر آن اپنے سامنے رکھے ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ یعنی عبادت رب ۔ یہ عبادت پورے ذوق و شوق اور اپنے خالق کی محبت سے سرشار ہو کر کامل اطاعت کے ساتھ پوری زندگی میں انجام دینی ہے ۔ یہ وہ بنیادی فرض ہے جس کا ہر مسلمان مکلف ہے اور ہر مسلمان نے اس کو ادا کرنا ہے ۔ اس عبادتِ رب کے بھی دو دائرے یا دو مراحل ہیں ۔

پہلا دائرہ یا مرحلہ ہر مسلمان کی انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ہے ۔ جس پر فوری طور پر عمل کرنا فرض ہے ۔ اس کو کسی حال میں ملتوی نہیں کیا جا سکتا ۔ اس میں تاخیر و تعویق ایمان کے منافی ہے ۔ اس معاملے میں ماحول کی ناسازگاری کا عذر اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوگا ۔

دوسرا دائرہ یا مرحلہ اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جس پر چلنا اسلامی نظام عملاً نافذ ہوئے بغیر ممکن نہیں ۔ لہٰذا کتاب و سنّت کے تعلیم کردہ طریقِ کار کے مطابق ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی اجتماعی طور پر عملی جدوجہد ضروری ہے ۔ جس میں اسلامی نظام نافذ ہو سکے ۔ اور جاری و ساری رہ سکے ۔

● اس تنظیم کا دوسرا مقصد ہے شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دینے کی سعی و جہد کرنا ۔ میرے محدود مطالعہ میں قرآن و حدیث میں "شہادت حق" کی اصطلاح کہیں استعمال نہیں ہوئی ۔ جہاں بھی ذکر ہے وہ شہادت علی الناس ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کی حیثیت

سے یہ فرض اُمتِ مُسلمہ پر بحیثیت اُمّت عائد ہوتا ہے۔ چونکہ نبی اکرمؐ خاتم النبیین ہیں اور خاتم المرسلین بھی اب قیامت تک نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دورِ رسالت جاری وساری رہے گا۔ اور نوعِ انسانی رشد وہدایت کی محتاج رہے گی۔ لہٰذا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ۲۰ سالہ محنت شاقہ کے نتیجہ میں ایک امّت تشکیل دے کر شہادت علی الناس کا فریضہ اُمّت کے سپرد کر دیا۔ اب یہ اُمّت کا فرض منصبی ہے کہ وہ اپنے قول وعمل سے نوعِ انسانی کے سامنے حق کی شہادت دے۔ اگر امّت بحیثیت امّت اس فرض سے غافل ہو جائے تو ازروئے قرآن حکیم جن لوگوں کو بھی اس کے شعور کی توفیق ملے' ان کا فرض ہے کہ وہ منظّم ہوں اور اس فرضِ منصبی کو ادا کرنے کی کوشش میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں کھپا دیں۔ بفحوائے آیاتِ قرآنی: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران:۱۱۰) (اے امّت محمدؐ، اب دنیا میں تم بہترین گروہ ہو جس کو انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے اٹھایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" اور: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (آل عمران: ۱۰۴) "تم میں ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے' بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکتا رہے۔ جو لوگ یہ (تین) کام کریں گے وہی لوگ ہوں گے جو فلاح پائیں گے۔"

● اس تنظیم کا تیسرا مقصد ہے اظہارِ دینِ حق کی عملی جدوجہد کرنا ـــــ درحقیقت یہ پہلے اور دوسرے مقاصد کا تکمیلی مرحلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان اطاعت کلّی کے ساتھ عبادتِ رب کے فرض کی ادائیگی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک "اسلام بحیثیت حکمران" غالب نہ ہو اور ہماری انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں "إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ" کا اٹل اصول بلکہ حکم کارفرما ہو۔

اس طرح شہادت علی الناس کا فرض بھی صحیح طور پر اُسی وقت انجام پا سکتا ہے جب اللہ کا دین بہ تمام وکمال قائم ونافذ ہو اور بنی نوعِ انسان اس نظام کے چلتے پھرتے نمونے اور اس کی برکات کا سرکی آنکھ سے مشاہدہ کر سکے۔ لہٰذا اظہارِ دینِ حق کی سعی وجہد پوری امّت کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب میں اس دین کی تکمیل فرما دی تھی اور وہ نظامِ عدل عملاً قائم فرما دیا تھا جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کا مقصد خصوصی تھا۔

اس نظامِ عدل پر خلافتِ راشدہ قائم رہی۔ اس لئے اس نظام کو "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کہا جاتا ہے۔ اسی نظامِ عدل کے قیام و نفاذ کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے اپنی زندگیاں کھپائیں۔

یہ ہمارے دینی فرائض کا وہ اجمالی تصور جس کی بنیاد پر ہماری تنظیم کی تاسیس ہوئی اور جس کا پیش منظر اور پس منظر مستحضر رکھنا تنظیم کے ہر رفیق کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔

تنظیم کا طریق کار

اب میں "تنظیم اسلامی" کے طریق کار کے چند بنیادی اُمور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ امور قرار دادِ تاسیس اور اس کی توضیحات میں شرح و بسط کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں اختصار و اجمال کیساتھ ان کی تذکیر مقصود ہے:

۱۔ ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے لہٰذا ہماری تنظیم کے پیش نظر فرد کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات اُخروی اوّلیت کا درجہ رکھتی ہے۔ تنظیم کو محض "کارکن" درکا نہیں بلکہ ایسے رفیق مطلوب ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا عبادتِ رب اور اتباعِ سنّت ہو۔

۲۔ دین میں دعوت کے لئے ایک فطری ترتیب بیان کی گئی ہے۔ اپنی ذات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ بتدریج دعوت کا حلقہ بڑھانا چاہیے۔ اس میں "الاقرب فالاقرب" کے اصول کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس کی فطری تدریج یہ ہے کہ اصلاح کا عمل اپنی ذات سے شروع ہو کر بیوی بچے، کنبہ، خاندان، اہلِ محلّہ، بستی، شہر اور ملک اور بعدہٗ بین الاقوامی سطح کی طرف بڑھنا چاہیے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم)

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ)

۳۔ شہادت علی الناس کے ذیل میں ہماری تنظیم کے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ فلسفہ اور فکرِ جدید کے ان مادہ پرستانہ اور گمراہ کُن نظریات کا قرآن حکیم اور احادیث شریفہ کے محکم استدلال سے ابطال کیا جائے۔ جنہوں نے نوعِ انسانی کے فہیم و ذہین لوگوں کے فکر و نظر پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اور جس نے ہماری اپنی مسلمان نئی نسل کے خرمنِ ایمان و یقین کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ موجودہ دَور کی جاہلیتِ جدیدہ کے ردّ اور ابطال کے لئے

ایک زبردست علمی تحریک بپا کی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ جاہلیتِ قدیمہ پر جو دین کے لبادے میں ملبوس مشرکانہ و مبتدعانہ عقائد و اعمال کی شکل میں امتِ مسلمہ کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔ نہایت حکیمانہ انداز میں تنقید کر کے اصلاح کی سعی کی جائے۔

اللہ تعالٰے ہمارا حامی و ناصر ہو — واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین!!

ناظمِ عمومی کی مختصر رپورٹ

تاسیسی اجتماع میں ۶۲ حضرات نے عہد رفاقت لیا۔ اس موقع پر یہ بات طے کی گئی کہ کراچی کے حلقہ تعارف و متاثرین میں سے جو اشخاص عہد رفاقت لے کر تنظیم میں شامل ہوں گے وہ بھی تاسیسی رفقاء میں شمار ہوں گے لہذا تاسیسی اجتماع کے کچھ عرصے بعد داعی عمومی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سکھر اور کراچی تشریف لے گئے سکھر میں دو حضرات اور کراچی میں چھ حضرات نے شمولیت اختیار کی۔ ۷۶-۱۹۷۵ء کے پہلے سال کے دوران گوجرانوالہ سے ایک راولپنڈی سے ایک اور لاہور سے ۱۷ حضرات تنظیم میں مزید شامل ہوئے۔ اور اسی دوران ان رفقاء میں سے ایک رفیق جناب نعیم الدین صاحب روڈ ایکسیڈنٹ کے باعث رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مزید براں دوران سال دو لاہور کے حضرات کی رفاقت ضعیف العمری کی وجہ سے، ایک رفیق چوہڑکانہ اور ایک ساہیوال سے نوعمری کی وجہ سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ چار رفقاء (کراچی) اور تین رفیق (لاہور) سے عدم دلچسپی کی وجہ سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ علاوہ ازیں چار حضرات (لاہور) اپنی ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے از خود تنظیم سے علیحدہ ہو گئے۔

۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران جولائی ۷۵ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام کوئٹہ میں ایک تربیت گاہ منعقد ہوئی جو بحمد اللہ کافی کامیاب رہی۔ اس تربیت گاہ میں داعی عمومی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے درس قرآن بھی دیا اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا اجتماعی مطالعہ کرایا۔ مزید براں جناب مولانا عبد الغفار حسن صاحب مدظلہ العالی نے جو مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ (سعودی عرب) میں اُستاذ الحدیث ہیں اور اس وقت پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس تربیتی پروگرام میں شرکت فرمائی اور درسِ حدیث سے شرکاء کو مستفید فرمایا۔

رفتارِ کار کا تجزیہ

٭ داعی عمومی نے تنظیم کی رفتارِ کار کا صحیح تجزیہ اور اپنا حقیقی تاثر پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"میرے نزدیک رفتارِ کار نہ اطمینان بخش ہے اور نہ تشویش ناک ہے بلکہ بین بین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی جگہ یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر ایک سال تک ہم جڑے رہ گئے تو میرے نزدیک یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ تنظیم دنیا کے کٹھن اور مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ اجتماعی زندگی ایک ایسے پھول کی مانند ہوتی ہے کہ ذرا تیز ہوا چلے تو پھول کی پتیاں بکھر جاتی ہیں۔ اس زندگی میں بڑے مشکل امتحانات آتے ہیں اپنے مزاج اور طبیعت کے خلاف دوسروں کی باتیں سننی پڑتی ہیں۔ ایک دوسرں کی تقصیروں کو معاف کرنا ہوتا ہے طبیعتوں اور مزاجوں کے اختلافات کی رعایت ملحوظ رکھنی ہوتی ہے اس پر مستزاد یہ کہ تنظیم بھی وہ ہو جو ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر تشکیل پاتی ہو جس میں دنیوی نقطۂ نظر سے کوئی کشش اور دل کشی TEPTATION موجود نہ ہو۔ جس میں نہ عہدے ہوں نہ مناصب، نہ الیکشن کی گہما گہمی ہو نہ جلسے نہ جلوس اور نہ نعروں کی ہماہمی اور ہنگامہ آرائی۔

جس میں اپنا مال کھپانا ہو اور اپنے جسم و جان کی توانائیاں اور صلاحیتیں لگانی ہوں جس میں ان حدود و قیود اور شرائط کی بالالتزام پابندی کرنی ہو جو اصل کے اعتبار سے تو دینی اوامر و نواہی ہیں لیکن عملاً دینی فرائض سے خارج ہیں۔ اور دین دار کہلانے والا طبقہ بھی الاماشاءاللہ اس کی کوئی وقعت نہیں سمجھتا۔ اس پُرفتن دور میں جب کہ زندگی کے ہر شعبہ پر طاغوت کی فرماں روائی ہے کوئی مسلمان خالصتاً خوفِ خدا اور محاسبۂ اُخروی کے ڈر سے ان چیزوں کو ترک کر دے یا ترک

کرنے کی خواہش کرے کہ جن کو عامۃ الناس ہی نہیں بڑے بڑے متقی اور پرہیز گار بلکہ رجال دین تک حرام و ناجائز سمجھنا تو درکنار کسی نوع سے ان کاموں کو غلط ہی نہیں سمجھتے۔ اور ان کو ھنیئاً مریئاً خیال کرتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بڑے ہی ایثار اور قربانی کا کام ہے۔ آج کے اس دور میں انکم ٹیکس کے غلط گوشوارے داخل کرنا، چنگی، کسٹم اور ڈیوٹی بچانے کی تدابیر اختیار کرنا۔ امپورٹ اور ایکسپورٹ کے لیے بنکوں سے OVERDRAFT لینا اور اس پر سود ادا کرنا۔ انشورنس پالیسیاں لینا۔ بچت SAVING کی ان تمام سکیموں میں سرمایہ لگانا جن میں سود ملتا ہے۔ رشوتیں لینا اور دینا بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کی ملازمتوں اور آسامیوں پر فائز ہونے کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھنا۔ اپنے مکانوں اور بنگلوں کی تعمیر کے لیے ہاؤسنگ فنانس کارپوریشنوں سے سودی قرضے حاصل کرنا دینی نقطۂ نظر سے قابلِ احتساب نہیں رہے۔ ان کاموں سے کسی کے ضمیر میں خلش تک نہیں ہوتی، ان کی قباحت اور دینی لحاظ سے ان کے حرام ہونے کا کسی کو احساس تک نہیں ہوتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ ایسے حالات میں چند اللہ کے بندوں کا تنظیم اسلامی سے اس عزم کے ساتھ جڑے رہنا کہ وہ شعوری طور پر ان تمام کاموں کو قطعاً حرام سمجھتے ہیں اور ان سے اپنا دامن بچائیں گے اور جس کے دامن پر یہ داغ موجود ہوں وہ توبہ اور پشیمانی کے آنسوؤں سے اس داغ کو دھونے کی کوشش کریں گے، صرف اس لیے کہ وہ نجات و فلاح اُخروی کے امیدواروں میں جگہ پا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے سزاوار قرار پا سکیں۔ میرے نزدیک بہت ہی قابل قدر کامیابی ہے اس کو UNDER-RATE نہ کیجیے۔ بلکہ گہرائی میں جا کر تجزیہ کیجیے کہ کامیابی ہے یا نہیں ـــــ

پھر میں ذاتی طور پر اس بات کو جانتا ہوں کہ ہمارے بعض رفقاء میں

عظیم ترین انقلاب آیا ہے۔ ان کے مشاغل تبدیل ہو گئے ہیں۔ ان کی دلچسپیوں کا محور بدل گیا ہے۔ آپ کو ایسے رفیق بھی ملیں گے کہ جو شاید خود بھی اور ان کا حلقۂ اثر بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ان کے منہ پر سنت کے اتباع میں داڑھیاں آجائیں گی۔ گو اس معاملہ میں بعض رفیق ابھی تک ضعفِ ارادہ میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ان کا عزم و ارادہ خلوص اور للّٰہیت پر مبنی ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کمزوری پر وہ جلد قابو پا لیں گے۔

ہمارے بعض رفیق ہم سے الگ ہو گئے ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ ان کی علیحدگی کا آپ کو رنج و ملال ہوگا۔ مجھے بھی اس بات کا شدید افسوس ہے بلکہ میں عرض کروں گا کہ جب کوئی رفیق اپنے کام میں سست ہوتا نظر آتا ہے یا نظم کی پابندی میں ڈھیلا دکھائی دیتا ہے یا کوئی رفیق تنظیم سے جدا ہوتا ہے تو اس کا بڑا گہرا احساس میرے دل پر طاری ہوتا ہے۔ بعض اوقات میرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی میری ذاتی کمزوری ہے مجھ میں وہ کشش پیدا نہیں ہوئی کہ ان کو خود سے جوڑے رکھتا یا ان کو بھی اسی جذبہ اور جوش سے واقف کرا دیتا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت کیا ہے۔

بہرحال یہ بات ہم سب کے لیے قابلِ اطمینان ہے کہ "تنظیم اسلامی" کے دستورِ اساسی یا تنظیم کے داعی سے اختلاف کے باعث تاحال کوئی ہم سے جدا نہیں ہوا۔ وہ اس کو حق تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ اپنی ذاتی مجبوریوں، رکاوٹوں اور کچھ بندھنوں کے باعث وہ تنظیم کے ساتھ چلنے کی ہمت نہیں پا رہے۔ لیکن ان کی ہمدردیاں، ان کی دلچسپیاں اور ان کا عملی تعاون ایک دوسری شکل (مرکزی انجمن خدام القرآن کے ساتھ تعلق) میں جاری و ساری ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

چند ضروری وضاحتیں

جن تاسیسی رفقاء کو شرائطِ شمولیت کے مطابق اصلاح کی مہلت ملی تھی۔ ان کی عدم کامیابی کے باعث علیحدگی کے معاملہ پر۔ نیز چند سوالات پر داعی عمومی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حسبِ ذیل وضاحتیں پیش کیں:

"میں نے کاروباری حضرات کی مشکلات پر مختلف پہلوؤں سے غور کیا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ بڑا کٹھن اور مشکل معاملہ ہے۔ میں انتہائی غور و فکر کے بعد بھی خود کو کسی دلیل سے اس کا قائل نہیں کر سکا کہ اس میں "رخصت" کا کوئی پہلو نکالا جا سکتا ہے۔ انکم ٹیکس کے غلط گوشوارے میرے نزدیک دانستہ اور پورے شعور کے ساتھ کذب بیانی اور دھوکہ و فریب کے ذیل میں آتے ہیں جس کو کسی حال میں اس تنظیم کو گوارا نہیں کرنا چاہیئے جو اظہارِ دین کے لیے اٹھی ہے۔ جس جماعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ آج جس حال کو پہنچی ہے۔ اس میں دوسرے بہت سے اسباب و عوامل کے ساتھ ساتھ یہ "صرفِ نظر" بھی شامل ہے۔ ملک میں دینی جماعتوں کی کمی نہیں بڑے بڑے دارالعلوم بھی موجود ہیں۔ عام اصطلاح میں ملک میں متقیوں اور پرہیزگاروں کی بھی کمی نہیں۔ ان ہی کے مالی تعاون سے ملک میں دینی مدارس اور دارالعلوم چل رہے ہیں۔ ان ہی کے دم سے نہایت شاندار مساجد تعمیر ہو رہی ہیں جن میں نہایت قیمتی قالین اور جھاڑ فانوس مہیا ہیں۔ یہ تمام کام ان کاروباری حضرات کے تعاون سے ہوتے ہیں جن میں غالب تناسب ان لوگوں کا ہے جو نمازی، روزہ دار، حاجی اور زکوٰۃ و خیرات ادا کرنے والے ہیں۔ کمی کیا ہے؟ کمی یہ ہے کہ یہ حضرات کاروباری معاملات میں دین کے کسی ضابطے، قانون اور حد کے دخل انداز ہونے کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک بنک سے سود پر OVER DRAFT

لے کر اپنے کاروبار کو وسعت دینا، ڈبل حسابات رکھنا۔ غلط انکم ٹیکس کے گوشوارے داخل کرنا۔ امپورٹ ایکسپورٹ کے لائسنس یا کسی نوع کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے رشوتیں دینا کسٹم بچانے کے لیے داؤ پیچ لڑانا وقت کا تقاضا ہے اور اس کا دین سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ حرام و حلال کا کوئی خطِ امتیاز ان کے سامنے نہیں۔ ظاہر ہے کہ سب کچھ ہمارے معاشرے میں موجود ہے "تنظیم اسلامی" کی تاسیس اس لیے عمل میں آئی ہے کہ اس میں شامل ہونے والے رفقاء ان تمام برائیوں خرابیوں سے اپنا دامن بچائیں گے۔ ان کے پیش نظر متاعِ دنیا نہیں بلکہ نجاتِ اخروی کی فکر ہو گی بعض رفقاء یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بتدریج اصلاح ہوئی ہے اور شریعت بتدریج نازل ہوتی ہے لہذا تنظیم بھی اس معاملہ میں ایک تدریج ملحوظ رکھے۔ لیکن میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ یہ دلیل غلط ہے۔ ہمارا ماحول اس ماحول سے بالکل مختلف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس دور میں شریعت کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں لیکن موجودہ صورت، واقعہ تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے شریعت کامل صورت میں موجود ہے لہذا ہمارے لیے مفر اور گریز کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور ہمارے دور میں ایک بنیادی فرق اور ہے جس کا صحیح شعور و ادراک نہ ہونے کی وجہ سے اکثر حضرات ایک انتہائی تباہ کن اور ہلاکت خیز مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس ماحول میں مبعوث ہوئے وہ خالص مشرکانہ ماحول تھا۔ اس ماحول میں کلمہ شہادت کو قبول کرنا ہی مصائب و شدائد اور بہیمانہ تشدد کو دعوت دینا تھا۔ اس ماحول میں توحید کا اقرار و اعلان رسالت کا اقرار و اعلان اور آخرت کا اقرار و اعلان ہی سب

سے بڑی آزمائش و ابتلاء کی کسوٹی تھی۔ اس ایمان کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ماریں کھائی ہیں۔ جانیں دی ہیں۔ اس دعوت کی وجہ سے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طنز و استہزاء کا ہدف بننا پڑا ہے۔ پتھروں کی بارش سہنی پڑی ہے۔ شدید مصائب انگیز کرنے پڑے ہیں۔ معاشی بائیکاٹ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ مبارک کے مطابق جملہ انبیاء و رسل کو جو تکالیف و شدائد برداشت کرنے پڑے تھے۔ وہ سب کے سب حضورؐ کو جو محبوب ربّ العالمین ہیں انگیز کرنے پڑے ہیں۔ پھر حضورؐ کے جانثاروں کو کیسی کیسی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ ان کا بھی معاشی مقاطعہ ہوا ہے۔ ایسے جانثار بھی تھے کہ ان کو دینِ حق قبول کرنے کی پاداش میں مادر زاد ننگا گھر سے نکال دیا گیا ہے۔ ناز و نعم میں پرورش پانے والے نوجوانوں کا یہ حال ہوا ہے کہ ان کی عسرت دیکھ کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک بے قرار ہو گیا ہے۔

اس دور میں آپ توحید پر وعظ کہیے، رسالت کے دلائل دیجیے۔ آخرت پر تقریر کیجیے۔ آپ کی نکسیر پھوٹنا تو درکنار، آپ کو تحسین و آفرین کا خراج ملے گا۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے اس ملک میں آج سے اٹھائیس برس قبل عین انگریز کی فوجی چھاؤنیوں میں اذانیں دی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید و رسالت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ لیکن انگریز کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی تھی۔

ابتلاء و آزمائش اس دور میں بھی موجود ہے مومنین صادقین کو اس دنیا میں آزمائش اور ابتلا کی بھٹی سے گزارنا اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ ہے۔ قرآن مجید میں جو فرمایا گیا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ
مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ط (سورہ بقرہ ۱۵۵-۱۵۶)

تو کیا اس کے مخاطب صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے؟ یا ہم اور آپ اور دنیا کے سارے مسلمان جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ مخاطب ہیں؟۔ بلاشبہ یہ خطاب ان مومنین صادقین سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے انصار بننے کی سعادت حاصل کریں۔ اس زمانہ میں آزمائش حلال وحرام کی پابندی قبول کرنا ہے۔ اگر کسی کا کاروبار انکم ٹیکس کا صحیح گوشوارہ داخل کرنے سے بیٹھ جاتا ہے تو کیا اس کا رزق بند ہو جائے گا؟۔ آسائشیں بلاشبہ ختم ہو جائیں گی۔ فقر و فاقہ بھی آ سکتا ہے لیکن وہ بھوکا نہیں مر سکتا۔ ایسا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رزاقیت ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک منڈی، بازار یا مارکیٹ میں ایک اللہ کا ایسا بندہ نکل آئے جو تجدید ایمان توبہ اور تجدید عہد کے زیر اثر تمام غلط کاموں سے مجتنب ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں اس کا کاروبار بند ہو جائے یا انکم ٹیکس کی وصولیابی کے لیے اس کا کاروبار کر لیا جائے یا اسے گرفتار کر لیا جائے تو اس بازار، مارکیٹ یا منڈی میں اس کے اتنے گہرے اثر مترتب ہوں گے کہ ہزاروں وعظ اور سینکڑوں درس قرآن۔۔۔ وہ اثرات اور نتائج مترتب نہیں کر سکیں گے۔ بس اللہ کی ربوبیت اور رزاقیت پر کامل ایمان اور جرأت مومنانہ کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی رفیق اس درجہ خود کو حالت اضطرار میں سمجھتا ہے کہ وہ ان پابندیوں کو قبول کرنے سے خود کو مجبور پاتا ہے تو فی الوقت تنظیم کی رفاقت ترک کر دے جب بھی وہ اپنے معاملات کی اصلاح پر قابو پالے تو تنظیم کے دروازے وہ اپنے لیے کھلے پائے گا۔

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اختتامی خطاب کے اہم نکات

تلاوتِ کلام پاک اور خطبۂ مسنونہ کے بعد داعی عمومی نے فرمایا:

"حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ میں جہاں قرآن مجید کی تلاوت اور تذکیر بالقرآن فرمایا کرتے تھے۔ وہاں بہت سی نصائح بھی فرماتے تھے جن میں یہ نصیحت تو گویا حضور کے معمولات میں شامل تھی کہ: "اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہ" میں تم کو وصیت کرتا ہوں اور اپنے نفس کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد گرامی ہے: "مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں۔"

غور کیجیے تو اسی ایک نصیحت میں کہ "اوصیکم ونفسی بتقوی اللّٰہ" ایک بندۂ مومن و مسلم کی پوری زندگی کے لئے چاہے وہ انفرادی معاملات سے متعلق ہو یا اجتماعی معاملات سے ایک صراطِ مستقیم کا تعیّن ہوگیا اور وہ ہے اللہ کا تقویٰ۔ تقویٰ کا اصل دینی مفہوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے توسط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تنگ راستہ میں جس کے دونوں جانب خاردار جھاڑیاں ہیں۔ انسان اپنے آپ کو اور اپنے لباس کو سمٹ سمٹا کر اس احتیاط سے گزرے کہ اس کا دامن کسی کانٹے سے الجھنے نہ پائے۔ اسی طرح اس دنیا میں ہر طرف شیطان نے ترغیبات کے جال اور معصیت کی جھاڑیاں پھیلا رکھی ہیں۔ تو جو بندۂ مومن ان ترغیبات کی خاردار جھاڑیوں سے دامن بچانے کی کوشش کرتے ہوئے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بسر کرے تو اس عمل اور رویّہ کا نام تقویٰ ہے۔ ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ اور اس شُدنی اَمر کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اور صرف وہی ذاتِ سبحانہٗ جانتی ہے کہ کس کو کس وقت اور کہاں اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کرنی ہے۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ پھر اس نے اپنے اس اٹل قانون کو بھی وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ موت کا مقررہ وقت ٹل نہیں سکتا وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا اس لئے ہمیں ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں گزارنے کی فکر کرنی چاہیئے چونکہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کب ہماری مہلت ختم ہو جائے اور ہمارا بلاوا آ جائے۔ یاد رکھیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے کی مسلسل سعی و جہد کرتے رہنا ہی دراصل تقویٰ ہے۔ اور اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب مبین میں جو ھُدًی لِّلنَّاسِ ہے متعدد اسالیب سے دی ہے: یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (آل عمران) اور: فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیراً لانفسکم (التغابن) اور: یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وامنوا برسلہ (الحدید) — لہٰذا تنظیم کے اس اختتامی اجتماع میں اپنے تمام رفقاء کو اور خود اپنے نفس کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ اوصیکم ونفسی بتقوی اللہ۔

موجودہ دور کے فتنوں میں ایک بڑا فتنہ "معاشی مسئلہ" ہے لوگ دنیا کمانے اور زیادہ سے زیادہ سامانِ تعیش اور آسائشِ دنیا کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ حلال و حرام کی تمیز معدوم کے درجے میں آگئی ہے۔ جو آسودہ حال ہیں۔ ان پر مزید کمانے کی دھن سوار ہے۔ جو غریب طبقہ سے متعلق ہیں وہ حسد و نفرت کے شکار ہیں۔ حبِ دنیا نے پوری طرح انسانی ذہن پر پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ حُبِ دنیا کی علامت ہے حبِ مال۔ چونکہ یہی ذریعہ ہے۔ اس عیش و تعیش اور لذات کے حصول کا جس میں نفسِ انسانی مبتلا ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ "عبادت و تقویٰ میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو اور اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ یہی تعلیم قرآن میں موجود ہے۔ فاستبقوا الخیرات۔ اور نعمتوں اور معاش (روزی) کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھو تاکہ تم کو جو کچھ ملا ہے اس پر شکر کرو۔" لیکن آج معاملہ برعکس ہے۔ آج خیر کے کاموں میں سبقت کا فقدان ہے اور ہے بھی تو "ریا" پیش نظر ہوتی ہے۔ جو بھی تگ و دو میں مصروف نظر آتا ہے۔ اس کا مقصود حصول مال نظر آتا ہے۔ آج قناعت عنقا ہے ہر شخص دنیا کمانے میں دیوانوں کی طرح لگا ہوا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ کیسا دین اور اس کے احکام، کیسی آخرت اور اس کا احتساب، آج انسان کا وہی حال ہے۔ جس کا نقشہ قرآن حکیم میں سورۃ الھمزہ میں یوں کھینچا گیا ہے کہ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ از روئے قرآن حُبِ مال دنیا پرستی ہے، خدا پرستی نہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ○ اور اہلِ ایمان کو متنبہ کر دیا گیا کہ: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْفَاسِقِيْنَ ○ (سورۂ توبہ)

مال کے پرستاروں کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دینار و درہم کا بندہ (عبد) قرار دیا ہے۔ اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے لئے بددعا فرمائی ہے: تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَار وَعَبْدُ الدِّرْهَم "تباہ و برباد ہو دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ"

ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ لیکن اللہ کی ربوبیت کاملہ پر ہمارے ایمان و یقین کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم از روئے قرآن و حدیث اپنی تنظیم کے رفقاء کے لئے حلال و حرام کی حدود و قیود عائد کرتے ہیں تو لوگ تربّص و تردّد میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ ہمارے کاروبار اور تجارت کا کیا ہوگا؟ ہماری معاش کا کیا ہوگا؟ ہمارے بال بچّوں کی پرورش اور تعلیم کیسے ہوگی؟ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ شیطانی فریب ہے، یہ خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر ہے۔ یہ طرزِ فکر توکل اور اللہ کے رب اور رازق ہونے پر ایمان کے منافی ہے۔ اللہ تعالےٰ تو اپنی کتابِ مبین میں واضح طور پر ہر ذی حیات کو رزق پہنچانے کی ذمہ داری قبول کرنے کا اعلان فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ (ھود) — لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ چند روزہ زندگی کے آرام و آسائش کے لئے آخرت سے بے پروا ہوگئے ہیں محاسبہ اُخروی کی فکر سرے سے موجود ہی نہیں۔ فکر ہے، سوچ ہے، منصوبہ بندی ہے، بھاگ دوڑ ہے تو دنیا کمانے کے لئے جس کو قرآن "متاعِ غرور" کہتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیات از ۳۰ تا ۳۵ ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں درس نمبر ۹ کی حیثیت سے شامل ہیں۔ یہ درس اس آیت سے شروع ہوتا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا "بے شک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے (پالن ہار اور پروردگار) ہے اور اس اقرار و ایمان پر استقلال کے ساتھ جم گئے"۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے اور ان کو کن کن بشارتوں سے نوازتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ٥ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ٥

پس اُوْصِيْكُمْ وَنَفْسِيْ میں خود کو بھی اور آپ کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ اور رزاقیت تامّہ پر پورا پورا توکّل رکھیں ۔ اپنی معاش کے ذرائع میں حرام و ناجائز کاموں اور ذرائع کو چن چن کر نکالنے کی بھرپور کوشش کریں ۔ اس کام میں انشاء اللہ العزیز ہمیں اپنے رب اور خالق کی حمایت و نصرت حاصل ہوگی ۔ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ٥

پاکستان میں بہت سی دینی جماعتیں اور جمعیتیں اپنی اپنی فکر کے مطابق کام کر رہی ہیں ۔ ہماری کسی جماعت و جمعیّت سے مخالفت نہیں ہے ۔ اختلافات البتہ ہیں ۔ اسی لئے ہم نے تنظیم اسلامی کی تاسیس کی ہے ۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے ہمیں اپنے جن دینی فرائض کا شعور حاصل ہوا ہے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے قرآن حکیم سے جو طریقِ کار اور منہاج ہم پر واضح ہوا ہے اگر اس کے عین مطابق دعوت الی اللہ اور اظہارِ دینِ حق کا فرض کوئی جماعت یا جمعیت انجام دے رہی ہوتی تو میں اپنی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ میں اس جماعت یا جمعیّت کے ساتھ اپنی وابستگی اور معمولی کارکن کی حیثیت سے اس میں شمولیت کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ۔ جیسا کہ میں اپنی افتتاحی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ ایک اصولی انقلابی اور دینی تنظیم قائم کرنا اور اس کو صحیح نہج پر چلانا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک کام ہے ۔ لیکن اس کا بیڑا میں نے صرف احساسِ فرض کی ادائیگی کے لئے اٹھایا ہے ۔

جز دار اگر کوئی مفر ۔ ہو تو بتاؤ   ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں ۔

میں اپنے رفقاء کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان قائم شدہ جماعتوں ، جمعیتوں کے کارکنان ، متفقین اور متاثرین سے بحث و مباحثہ کرنے اور الجھنے سے اپنا دامن بچائیں ۔ ایسے حضرات کو دعوت پہنچانا اور افہام و تفہیم کے لئے اُن سے مذاکرات کرنا تو مقصود و مطلوب ہو لیکن جب کج بحثی اور کٹ حجتی کی کیفیت پیدا ہو جائے تو ہمیں فوراً " قَالُوْا سَلٰمًا " پر عمل کرنا چاہیئے ۔ ہمیں مثبت طریقہ پر اپنی دعوت خلقِ خدا تک پہنچانی ہے ۔ کسی سے بحث اور مناظرہ کی قطعی کوئی حاجت نہیں ہے ۔ یہ طرزِ عمل تنظیم کی دعوت کے لئے مفید مطلب ہونے کے بجائے سمِ قاتل ہوگا ۔

یہ نصیحت بھی پیش نظر رکھیئے کہ ہمارے ملک میں دو مکاتب فکر پائے جاتے ہیں ۔ ایک حنفی مکتبِ فکر اور دوسرا اہلِ حدیث ، ان مکاتبِ فکر میں فروعات اور جزئیات میں اختلافات ہیں ۔

الحمد للہ اصولِ دین میں کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا رفقاء کو آپس میں فقہی مسائل پر بحث و تمحیص سے اپنا دامن بچانا چاہیئے اور عامۃ المسلمین سے بھی ان مسائل پر گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بعض رفقاء پر اپنی افتادِ طبع کے باعث تنظیم کے نظم کی پابندی گراں گزرتی ہے۔ میں اپنے تمام رفقاء کی توجہ عہد نامہ رفاقت تنظیم اسلامی کے جزو "د" کی طرف مبذول کراتا ہوں جس کے الفاظ یہ ہیں:

"خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اور "اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پورے احساسِ مسئولیت کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ اپنے فرائضِ دینی کی انجام دہی کے لئے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کہ اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کے مطابق "تنظیم اسلامی" کے نظم کی پوری پابندی کروں گا۔"

لہٰذا نظم کی پابندی اس عہد کی وجہ سے تمام رفقائے تنظیم پر واجب ہے اس کو ہلکا نہ سمجھیئے بلکہ اپنے دینی فرائض کا تقاضا سمجھ کر نظم کی پابندی کیجیئے۔

میں آخر میں اپنے رفقاء کو نصیحت کرتا ہوں کہ "تنظیم اسلامی" کا اصل محور اور حقیقی نصب العین آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے جس کے لئے سورۃ العصر میں چار ناگزیر لوازم بیان کر دیئے گئے ہیں:

١۔ ایمان ٢۔ عملِ صالح ٣۔ تواصی بالحق ٤۔ تواصی بالصبر

ہمیں بیک وقت ان چاروں نشانات راہ اُخروی کو پیشِ نظر رکھنا ہے۔ اور ان چاروں کا حق ادا کرنا ہوگا۔ لہٰذا ہر رفیق کو یہ سورۂ مبارکہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے اور اس کا آپس میں مذاکرہ کرتے رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تعامل سے ثابت ہے۔

میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دینی فرائض اور فرض عبادات کو ان ہی شرائط کے ساتھ ادا کرنے کی فکر کیجیئے جو قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہیں۔

میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تلاوتِ قرآن مجید کو اپنا شعار بنائیے کسی مستند ترجمہ اور تفسیر کی مدد سے اس کا "مطالعہ" بھی کیجیے اور اس پر غور و تدبّر بھی۔ حدیث شریف، سیرتؐ مطہرہ اور سیرِ صحابہؓ کے مطالعہ کو بھی اپنے معمولات میں شامل کیجیے۔

میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نوافل، خاص طور پر تہجد کا اہتمام کرنے کی کوشش کیجیے۔ ہم بہت ہی کمزور اور بے بضاعت ہیں۔ ہمارے لئے زادِ راہ اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ ہم میں نفلی عبادات کا شوق پروان چڑھے۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اور يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو اپنا شعار بنائیے۔ صبغۃ اللہ اسی طرزِ عمل سے ہم پر غالب آئے گا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ آل عمران)۔

ان معروضات کے بعد میں اس دعا پر یہ گفتگو ختم کرتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

اٰمین یا ربّ العٰلمین!

ADARTS HSF-2/88

ایک مسنون دُعا

اَللّٰھُمَّ طَہِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ
وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّیَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْکِذْبِ
وَاَعْیُنَنَا مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ
الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔

ترجمہ

اے اللہ ہمارے دِلوں کو نفاق سے پاک کر دے اور ہمارے اعمال کو ریا سے اور ہماری زبانوں کو جھوٹ سے اور ہماری آنکھوں کو خیانت سے تجھ پر روشن ہیں آنکھوں کی چوریاں بھی اور دل جو کچھ چھپائے رکھتے ہیں۔

* * *

عطیہ اشتہار

میاں عبدُ الوَاحِدُ

بجگوان سٹریٹ، پُرانی انار کلی، لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

چند بنیادی و انقلابی فیصلے

تنظیم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجتماع کے انعقاد کے لئے مارچ ۷۷ء کی اواخر کی تاریخیں مقرر کر کے اعلان کر دیا گیا تھا لیکن ۱۹۷۷ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں حکومت وقت کی طرف سے کی گئی ناانصافیوں اور دھاندلیوں کے خلاف احتجاجی مظاہروں نے جلد ہی ایک ملک گیر اور ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کر لی جو "تحریک نظام مصطفٰے" کے نام سے موسوم ہوئی اور جو دیکھتے دیکھتے جنگل کی آگ کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔ اس تحریک کو نہ پولیس کا بہیمانہ تشدد روک سکا اور نہ متعدد بڑے شہروں میں کرفیو اور جزوی مارشل لاء کا نفاذ اس تحریک کی راہ میں مزاحم ہو سکا۔ الغرض پورا ملک شدید بدامنی اور بحران کی زد میں آگیا۔ دریں حالات تنظیم اسلامی کا طلب کردہ دوسرا سالانہ اجتماع ملتوی کرنا پڑا۔ ۴ اور ۵ جولائی ۷۷ء کی درمیانی شب کو فوج نے قومی اور تمام صوبائی اسمبلیوں اور برسرِ اقتدار پارٹی کی حکومتوں کو برطرف کر کے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا اور پورے ملک میں مارشل لا نافذ ہو گیا جس کے باعث ملک کی غیر یقینی اور بدامنی کی فضا میں ایک خوشگوار تبدیلی آگئی۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب داعی عمومی نے چند رفقاء کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ تنظیم اسلامی کا دوسرا اور تیسرا (مشترکہ) سالانہ اجتماع ۵ تا ۱۱ اگست ۷۷ء لاہور میں منعقد کر لیا جائے اور اس میں تنظیم اسلامی کے عبوری دستور کے بجائے ایک مستقل لائحۂ عمل کا فیصلہ کرا لیا جائے۔ یہ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اندازہ نہیں ہو تا تھا کہ آئندہ ملک کے سیاسی حالات کیا رُخ اختیار کریں گے اور امن و امان کی صورتِ حال کیا ہو گی!

اس ہفت روزہ اجتماع میں تنظیم کی قریباً ڈھائی سالہ کارگزاری کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ نیز قرارداد تأسیس اور اس کی توضیحات اور عبوری دستور کی روشنی میں مستقبل کے لئے تنظیم اسلامی کے لائحۂ عمل اور نظم جماعت کے متعلق حسب ذیل اہم فیصلے کئے گئے:

فریضۂ اقامتِ دین

(ا) اقامتِ دین، شہادت علی الناس اور غلبہ و اظہارِ دین کی سعی و جہد نفلی عبادت یا اضافی نیکیاں نہیں بلکہ از رُوئے قرآن و حدیث **بنیادی دینی فرائض** میں

شامل ہیں۔

اس کے ضمن میں داعی عمومی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو طویل مدلل خطاب ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے 'تنظیم اسلامی' کے تاسیسی اجتماع میں یہ عرض کیا تھا کہ ہماری اس تنظیم کی سب سے عظیم اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اساس دعوت رجوع الی القرآن' کے نتیجہ میں قائم ہوئی ہے' اور دروسِ قرآن حکیم ہی سے ہمارے سامنے یہ بات آئی ہے کہ امتِ مسلمہ کی تاسیس کی غرض وغایت ہے شہادت علی الناس بفحوائے الفاظ قرآنی:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ آیت ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے!"

یہی مضمون سورۃ الحج کی آخری آیت میں اس عکسی ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اس میں رسول کا ذکر پہلے ہے اور امت کا بعد میں۔ فرمایا:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (آیت ۷۸)

"اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ جدوجہد کا حق ہے۔ اسی نے تم کو (اس کام کیلئے) منتخب کیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت کو تمہارے لئے پسند فرمایا۔ اسی (اللہ) نے تمہارا نام مسلم رکھا اس سے پہلے اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ رسول تم پر (اللہ کے دین کی) گواہی دے اور تم دوسرے لوگوں پر اس کی گواہی دو!"

خطبہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فریضہ شہادت علی الناس' کو کمال حکمت کے ساتھ امت کی طرف منتقل فرمایا۔ چنانچہ کتب احادیث میں مذکور ہے کہ اس خطبہ مبارکہ میں اہم ہدایت دینے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت کے مطابق اس حج میں شریک تقریباً سوا لاکھ کے مجمع سے دریافت فرمایا:

اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ؟ لوگو! میں نے خدا کا پیغام' اس کی ہدایت پہنچادی یا نہیں؟ تبلیغ کا حق ادا ہو گیا یا نہیں؟

مجمع نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ بے شک آپ نے پہنچادیا' امانت ادا فرمادی اور امت پر حق نصح اور حق خیر خواہی ادا فرمادیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ایک بار نہیں تین مرتبہ دریافت فرمائی تاکہ بات پوری طرح واضح اور پختہ ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ نے تین بار جواب میں عرض کیا۔ نشهد انک قد بلغت وادیت و نصحت اس کے بعد حضورؐ نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں' پھر انگلی اٹھا کر بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! (اے اللہ تو بھی گواہ رہ) یہ جملہ تین بار عرض کیا اور ہر بار انگلی سے آسمان اور پھر مجمع کی طرف اشارہ کیا۔ اس سوال و جواب کے بعد نبی آخر الزمانؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب فرما کر شہادت علی الناس اور تبلیغ دین حق کی ذمہ داری امت کی طرف منتقل فرما دی اور ارشاد فرمایا:

فلیبلغ الشاھد الغائب اب جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں تک پہنچائیں جو موجود نہیں۔

اسی طرح امت مسلمہ بحیثیت امت تاقیام قیامت شہادت علی الناس اور تبلیغ دین حق کے فریضہ کی ادائیگی کی ذمہ دار ٹھہرا دی گئی

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(آیت ١١٠)

اس آیت مبارکہ میں بھی امت مسلمہ کی تاسیس اور بعثت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مقرر کیا گیا۔ گویا کہ یہ کام امت پر فرض ہے کہ وہ نوع انسانی کو نیکی کا حکم دیتی رہے' اور برائیوں سے روکتی رہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' شہادت علی الناس ہی کا ایک مظہر اور ایک مرحلہ ہے۔ اور امر بالمغروف و نہی عن المنکر کے لئے سیاسی قوت ناگزیر ہے' جس سے اقامت دین کا حکم مستلزم ہوتا ہے۔

آگے چلئے! قرآن حکیم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کی امتیازی شان کے بیان میں تین مقامات (سورۂ توبہ' سورۂ فتح' سورۂ صف) میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّہٖ (وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ (رسول) اس کو تمام ادیان (نظام ہائے اطاعت اور ہر جنس اطاعت) پر غالب کر دے!"

ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف نبوت ختم نہیں ہوئی ہے' بلکہ حضورؐ کی ذات پر نبوت کی تکمیل ہوئی ہے۔ اب تاقیام قیامت حضور ہی کا دور دعوت و رسالت جاری و ساری ہے اور اب کسی نوع کا کوئی نبی نہیں آئے گا' یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔ لیکن غور کیجئے کہ بنی نوع انسان تو ابھی ہدایت کی محتاج ہے اور دین الحق دنیا کے تمام نظاموں پر ابھی غالب نہیں

ہوا۔ یہ کام تاحال تشنہ تکمیل ہے۔ اس کام کی ادائیگی کی ذمہ داری کس کے کاندھوں پر ہے اس بات کو سورہ صف میں واضح کر دیا گیا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی امتیازی شان بیان کرنے کے فوراً بعد فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اے اہل ایمان! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتاؤں جو تم کو عذاب الیم سے بچائے؟ (پختہ) ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد (جدوجہد اور کشمکش) کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ الصف ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین پر مفصل گفتگو تو درس کے موقع پر ہوتی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خصوصی و امتیازی شان "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" کے بعد حضورؐ کی تصدیق کرنے والوں سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ حضورؐ پر ایمان لانے کے تقاضے بھی پورے کرو۔ یعنی غلبۂ دین کیلئے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ یہی راستہ آخرت میں فوز و فلاح اور عذاب الیم سے چھٹکارا دلانے والا ہے۔ پھر آگے اللہ کے دین کے غلبہ کی سعی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا انصار قرار دیا ہے۔ اس سے زیادہ بلند مقام کا ایک بندۂ مومن تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ اس کو اپنا انصار قرار دے۔ یہ جملہ آیات اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ عبادات مفروضہ (نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج) کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ بھی ایمان کا لازمی تقاضا بلکہ فرض ہے۔ اس مسئلہ پر میں آگے بھی کچھ عرض کروں گا۔

آگے آیئے! سورۂ حدید مکمل ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں شامل ہے اگر یہ درس آپ کے ذہن میں مستحضر ہو تو آپ کی توجہ اس آیت کی طرف مبذول ہوئی ہوگی:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورۂ حدید آیت ۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ (نظام) عدل پر قائم ہوں' اور لوہا اتارا جس میں جنگ کیلئے بڑی قوت ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں۔ یہ (سب کچھ) اس لئے (کیا گیا ہے کہ) اللہ واضح کر دے کہ کون اس (اللہ) کو دیکھے بغیر اس (کے دین) کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تو ہے ہی بڑی قوت والا اور زبردست و غالب!"

اللہ اور اس کے رسول کی نصرت سے مراد اللہ کے دین کی نصرت اور اس کی اقامت ہے' اس کا

نفاذ ہے جیساکہ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں چند اولوالعزم انبیاء کرامؑ کا نام بنام ذکر کر کے آیت کے درمیان میں نزول کی یہ غرض وغایت بیان کی گئی کہ۔ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ
" قائم کرو (اللہ کے) دین کو اور اس معاملہ میں اختلاف نہ کرو !"

آگے آیئے! آپ کو معلوم ہے کہ مکمل سورۂ حجرات بھی ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے۔ اس میں اسلام اور ایمان کے فرق پر بڑی تفصیل سے گفتگو ہوتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے درس میں آیت نمبر ۱۴ اور نمبر ۱۵ کے موقع پر میں یہ وضاحت کیا کرتا ہوں کہ بلاشبہ نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج ارکان اسلام ہیں۔ لیکن ان دو آیات کے مطالعے اور اس میں غور و تدبر کرنے سے یہ بات بھی واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ہر ریب و شک سے مبرا اور پاک و صاف قلبی یقین اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد دراصل ایمانِ حقیقی کے دو رکنِ رکین ہیں۔ فرمایا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

" بلاشبہ مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر۔ پھر کسی ریب اور شک میں نہیں پڑے اور جنہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ پس یہی لوگ (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں!"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا...... " میرے محدود مطالعہ میں قرآن حکیم میں یہی وہ مقام ہے جہاں ایمان حقیقی کی جامع و مانع تعریف (   ) کی گئی ہے غور کیجئے کہ بات "انما" سے شروع کی گئی ہے جو کلمہ حصر ہے۔ یعنی مومن حقیقی ہونے کیلئے یہ دو اوصاف پائے جانے ضروری ہیں۔ پہلا وصف ریب و تشکیک سے پاک قلبی یقین اور دوسرا وصف جہاد فی سبیل اللہ۔ پھر آیت کے اختتام پر اسلوب حصر اختیار کیا گیا ہے' وہاں فرمایا۔ اولئک هم الصدقون ○ صرف یہی لوگ (یعنی جو لوگ قلبی یقین سے بہرہ مند ہوں اور جن کی مساعی کا ہدف جہاد فی سبیل اللہ ہو صرف وہی اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔

دنیا سے برائی کو دور کرنے کی سعی و جہد کا حدیث میں کیا مقام ہے؟ اس کو احادیث شریفہ سے بھی سمجھئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ وَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (صحیح مسلم)

" جو کوئی تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدل دے۔ اور اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (بدل دے) اور اگر اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے!"

اسی حدیث کی ایک دوسری روایت کے آخری ٹکڑے میں اس سے مختلف الفاظ منقول ہوئے ہیں۔ وہاں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ۔ وَ لَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ (صحیح مسلم) "اُس کے بعد تورائی کے دانے کے برابر بھی ایمان موجود نہیں ہے۔"

اس حدیث کے اسلوب میں "امربالمعروف" خود ہی مضمر ہے۔ برائیوں کو اچھائیوں سے بدلنا اس حدیث کا اصل مفہوم ہے۔ اگر صورتحال یہ ہو کہ ایک مسلمان نہ ہاتھ سے برائی کو بدلنے کیلئے جدوجہد کا اپنے اندر داعیہ رکھتا ہو' نہ برائی کو برا کہنے کی ہمت پاتا ہو اور نہ ہی اپنے دل میں برائی کے خلاف نفرت و کراہت کے جذبات رکھتا ہو تو ایسے شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

داعیٔ عمومی نے مزید فرمایا:

"میں نے قرآن حکیم اور احادیث شریفہ سے دین کو سمجھنے کی جو حقیر سی محنت اور کوشش کی ہے، اس کے نتیجہ میں میری یہ پختہ رائے ہے کہ جب دنیا کے قابل ذکر خطۂ زمین پر اسلام ایک غالب اور عالمگیر قوت کی حیثیت سے قائم و نافذ ہو اور یہ ریاست ملکی سطح پر تبلیغ دین اور اقامتِ دین کا فرض انجام دینے میں کوشاں ہو تو اس ریاست میں بسنے والے مسلمانوں پر جہاد و قتال فی سبیل اللہ فرض کفایہ اور اضافی نیکیاں اور نفلی عبادت قرار دی جاسکتی ہیں۔ البتہ اس حال میں بھی ریاست کے اولوالامر کی طرف سے جب بھی جہاد و قتال کیلئے نفیر عام ہو تو ہر بالغ و صحت مند مسلمان کو لبیک کہنا اس کے حقیقی ایمان کا تقاضا ہے۔ لیکن جب دینِ حق مغلوب ہو اور مسلمانوں کی اکثریت رکھنے والے ممالک میں بھی دینِ حق غالب' قائم اور نافذ نہ ہو۔ اللہ کی شریعت' اس کی حدود و تعزیرات' اس کے احکام و امر و نواہی جاری و ساری نہ ہوں۔ تو میرے نزدیک از روئے قرآن و حدیث وہ شخص ہرگز حقیقی دین دار اور مومن صادق نہیں ہے جس کا دائرہ صرف انفرادی طور پر عباداتِ مفروضہ کی ادائیگی تک محدود ہو اور جس کی توانائیاں دنیا کمانے میں صرف ہو رہی ہوں۔

لہٰذا میری پختہ رائے ہے کہ اقامتِ دین' شہادت علی الناس' اور غلبہ و اظہارِ دین کی جدّوجہد نفلی عبادات یا اضافی نیکیاں نہیں بلکہ از روئے قرآن و حدیث بنیادی فرائض میں داخل ہیں"

التزامِ جماعت

(۱أ) ان دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے التزامِ جماعت لازم ہے۔

اس کے ضمن میں داعی عمومی نے اپنے طویل خطاب میں جو نقلی و عقلی دلائل پیش کیے' ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"ہمارے اذہان کو اس اعتبار سے بالکل مطمئن ہونا چاہیے کہ جب ہم نے قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات پورے شعور کے ساتھ قبول کر لی کہ شہادت علی الناس' دعوت الی اللہ اور اقامت و اظہار دین حق ہمارے بنیادی دینی فرائض میں شامل ہیں' یہ محض اضافی نیکیاں نہیں ہیں تو اس کا ایک لازمی تقاضا یہ

سامنے آتا ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ امت مسلمہ بحیثیت امت ان دینی فرائض کی ادائیگی نہ کر رہی ہو تو مسلمانوں ہی میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو ان فرائض کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو اور اس جماعت کی تمام مساعی اور جدوجہد کا ہدف دعوت الی اللہ ہو۔ اس جماعت میں شامل افراد ایک طرف خود اپنی انفرادی زندگی کی اصلاح کریں' اپنے اعمال کو شریعت کے مطابق بنانے کی طرف متوجہ ہوں۔ فرض عبادات کو ان کی شرائط کے مطابق ادا کرنے کی سعی کریں۔ اپنے گھروں کو خلاف اسلام رسوم اور رواجات سے پاک کرنے کے لئے کوشاں ہوں۔ دوسری طرف اپنے معاشرے میں "الاقرب فالاقرب" کی تدریج کے ساتھ "تواصی بالحق' ...... اور "اَلدِّیْنُ' النَّصِیْحَۃُ' کا فرض انجام دینے کی فکر کریں۔ یہی وہ بات ہے جو سورۃ العصر اور آیہ بر (البقرہ ۱۷۷) کے دروس میں بالخصوص ہمارے سامنے آچکی ہے۔ سورۃ العصر میں فلاح دنیوی اور نجات اخروی کے لئے شرط لازم کے طور پر ایمان' اعمال صالح کے بعد باب تفاعل کے جمع کے صیغے میں تواصوا بالحق فرمایا گیا۔ جو کہ جماعت کے وجود کو مستلزم ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ اور سورۃ الحج کی آخری آیت (۷۸) میں شہادت علی الناس کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے امت کا لفظ اختیار فرمایا گیا جن کا حوالہ میں پہلی تنقیح پر اظہار رائے کے موقع پر تفصیل سے دے چکا ہوں۔ یہاں میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان آیات کا اصلاً خطاب بلاشبہ پوری امت سے ہے۔ لیکن اگر امت بحیثیت امت اس فرض کو ادا نہ کر رہی ہو تو اس کے لئے رہنمائی قرآن حکیم اور احادیث میں موجود ہے۔

لزوم جماعت اور قرآن حکیم

داعی عمومی نے فرمایا کہ "ہمارے دین کا مجموعی مزاج خالص اجتماعی مزاج ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں سے سارا خطاب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے ہوتا ہے۔ یہ اسلوب جماعت و امت کو مستلزم ہے۔ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۱۴۳ کے پہلے حصے وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا پر میری ایک مستقل تقریر "فریضہ شہادت" کے نام سے موجود ہے۔ پھر سورہ حج کا آخری رکوع ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے۔ جس میں آخری آیت وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ...... الی آخر الایہ ...... پر مفصل بحث ہوتی رہی ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ پر مختلف دروس قرآن اور تقاریر میں میں اظہار خیال کرتا رہا ہوں۔ لیکن آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سارے حوالے پوری امت مسلمہ پر منطبق ہوتے ہیں۔ میں ان کو تسلیم کرتا ہوں اور اب میں آپ کی توجہ آل عمران کی اس آیت کریمہ (۱۰۴) کی طرف مبذول کرتا ہوں جو پوری امت کے اندر ایک چھوٹی امت یعنی جماعت یا گروہ کے وجوب' اہمیت و ضرورت پر دلالت کرتی ہے اور جو اس مسئلہ پر نص قطعی کے مقام کی حامل ہے۔ وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "اور تم میں ایک گروہ تو ایسا ضرور ہونا چاہئے جو نیکی کی طرف بلانے والوں پر مشتمل ہو جو نیکیوں کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہوں اور جو لوگ یہ کام کریں گے' وہی فلاح پائیں گے۔" بڑی امت میں سے اس چھوٹی امت جس کا مقصود و مطلوب صرف دعوت الی الخیر اور معروف کا حکم اور منکر سے روکنا ہو' اس امت میں شامل ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فلاح کی بشارت دی ہے۔ پھر دیکھئے کہ ہمارے دین میں پنج وقتہ فرض نمازوں کے لئے جماعت کے التزام کی کتنی تاکید کی گئی ہے...... پھر جمعہ کی نماز تو بغیر جماعت کے ادا ہی نہیں ہوتی...... یہی حال عیدین کی نمازوں کا ہے...... پھر ہر مسلمان پر سال کے کسی مہینے میں ایک ماہ کے روزے فرض نہیں کیے گئے بلکہ پوری امت کے لئے ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تاکہ اجتماعیت کی شان قائم رہے۔ حج تو ہے ہی سراسر اجتماعی عبادت...... یہ ہے ہمارے دین کے احکام میں اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے لزوم کا انتظام و انصرام۔

داعی عمومی نے مزید فرمایا۔ اب میں آپ کی توجہ اس حدیث کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ جس کو ہم نے بہت عام کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے اکثر کو یاد ہوگی۔ یہ حدیث جامع ترمذی کی ہے۔ عَنِ الْحَارِثِ الْاَ شْعَرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .- امرکم بخمس بالجماعۃ و السمع و الطاعۃ و الھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ "حضرت الحارث الاشعریؓ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جماعت کا۔ سننے کا۔ ماننے کا اور ہجرت کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا۔"

ایک دوسری روایت میں امرکم بخمس کے بعد الفاظ آئے ہیں۔ اللہ امرنی بھن "اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا۔" یعنی یہ حکم میں خاص اللہ کی طرف سے تمہیں دے رہا ہوں۔ اس حدیث میں ہمارے لئے بڑی رہنمائی ہے لزوم جماعت اس سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس جماعت میں سمع و طاعت کا نظم (DISCIPLINE) لازم ہے۔ کوئی ڈھیلی ڈھالی انجمن وغیرہ قسم کا ادارہ مطلوب نہیں۔ پھر اس جماعت کے مقاصد اور نشانات منزل بھی متعین کر دیئے گئے ہیں۔ وہ ہیں ہجرت اور جہاد...... دین کی ان دونوں اصطلاحات کے وسیع الاطراف معانی و مفاہیم میں کئی بار بیان کر چکا ہوں۔ اس موقع پر بھی بیان کر دیتا ہوں۔ ایک صحابی نے نبی اکرمؐ سے دریافت کیا۔ ای الھجرۃ افضل یا رسول اللہ آنحضورؐ نے جواب دیا۔ ان تھجر ما کرہ ربک یہ کہ "تو ہر اس کام کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناپسند ہو۔" جہاد کے متعلق آنحضورؐ سے دریافت کیا گیا۔ ای الجھاد افضل یا رسول اللہ جواب میں نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ ان تجاھد نفسک فی طاعۃ اللہ "یہ کہ تو کوشش اور محنت کرے کہ تیرا نفس (تیری خواہشات) اللہ کی طاعت کا خوگر ہو جائے"...... پس اس حدیث میں لزوم جماعت کا حکم بھی موجود...... اس کی

ہیئت تنظیمی کے لئے رہنمائی موجود اور اس جماعت کی تاسیس کے مقاصد بھی موجود ہیں۔
داعی عمومی نے مزید فرمایا...... میں اپنی امکانی حد تک قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے دعوت الی اللہ 'اعلائے کلمۃ اللہ شہادت علی الناس اور اقامت دین کے لئے جماعت کی ضرورت واہمیت پابندی کے لزوم پر نصوص آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دین کی اصطلاح میں ان کو "نقل" کہا جاتا ہے۔ یعنی کتاب و سنت کے دلائل سامعین و قارئین کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ لیکن دلائل کی حکمتوں کو واضح کرنا 'اس کے لئے عقل 'فکر و نظر اور مشاہدات سے استدلال کرنا بھی دین کے دائرے میں آتا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ جماعت یا تنظیم کی ضرورت اور اس نظم کی پابندی کے لزوم پر چند عقلی دلائل بھی آپ حضرات کے غور و فکر کے لئے پیش کر دوں۔
میں سمجھتا ہوں کہ عقلی دلیل ایک جملہ میں بھی بیان ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی نتیجہ خیز اور کوئی انقلابی و اصلاحی کام بغیر اجتماعیت کے ہوتا ہی نہیں۔ چاہے وہ خیر کے لئے ہو چاہے شر کے لئے' چاہے اسلام کے غلبہ کے لئے ہو چاہے کفر کے غلبہ کے لئے۔ کام ہی کرنا پیش نظر نہ ہو اور اپنے آپ کو فریب میں مبتلا رکھنا ہو تو خوئے بدر ا بہانہ بسیار والا معاملہ ہو گا۔ اگر آپ واقعتاً کوئی عملی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے تنظیم و جماعت یعنی ایک ہیئت اجتماعیہ کا وجود لابد ہے' لازم ہے' ناگزیر ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس میں کوئی استثنیٰ (EXCEPTION) سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ محاورہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ اجتماعیت انسانی تہذیب و تمدن ہی کا لازمی عنصر نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہر تحریک کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہ اصول ہے جو آفاقی طور پر مسلم ہے۔ یہ عالمگیر سچائی (UNIVERSAL TRUTH) اور بدیہیات فطرت میں سے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عقلی دلیل کے طور پر اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے۔ اس پر مزید کچھ کہنا بالکل غیر ضروری ہو گا۔ البتہ میں اس موقع پر آپ کی توجہ اس طرف دلاؤں گا کہ جن لوگوں نے اشتراکیت 'فسطائیت یا جمہوریت کو اپنا نصب العین' مطمح نظر اور اپنا مقصود (IDEAL AND GOAL) بنایا۔ انہوں نے اس کے لئے ہیئت اجتماعیہ قائم کی اس میں نظم و ضبط (DISCIPLINE) بہت سخت رکھا۔ چنانچہ دنیوی طور پر ان کی ان مساعی ہی کے نتیجے میں کامیابیوں نے ان کے قدم چومے۔ جن ممالک پر بیرونی طاقتوں کا فوجی اور سیاسی تسلط تھا' انہوں نے ملک کی آزادی کے لئے اجتماعی جدوجہد کی' قربانیاں دیں اور بالآخر کامیاب و کامران ہوئے۔ حالانکہ ان مقاصد کے لئے کام کرنے والوں کے پیش نظر اور ان کے عقائد میں "آخرت" کا کوئی تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ جب کہ ہمارے لئے یہ نوید جانفزا موجود ہے کہ اللہ کے دین کے لئے جدوجہد اور قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ دنیا میں اگر ان کے ٹھوس عملی نتائج نہ بھی نکلے تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان جاں نثاروں کا اجر محفوظ رہے گا۔ جیسا قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مذکور ہے۔
سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی چھ آیات کے درس میں ایت

نمبر ۱۹۵ میں یہ نوید جانفزا، یہ بشارت اور یہ خوش خبری بایں الفاظ ہمارے سامنے آتی ہے : ۱

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ "... میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو، پس جنہوں نے معصیت سے) ہجرت (اختیار) کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور جو لڑے اور مارے گئے ہیں، ان سے ان کے گناہ لازماً دور کردوں گا اور ان کو لازماً ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں نہریں جاری ہوں گی۔ یہ (خاص) اللہ کے پاس سے ان کا بدلہ ہو گا اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے !"

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ ؕ

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ "ہم یہاں غور و فکر کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ یہاں اکثریت و اقلیت سے فیصلے کرنے کا کوئی سوال نہیں ہے میں نے تفصیل سے یہ باتیں اس لئے عرض کی ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے ذہن کے متعلق کوئی ابہام نہ رہے۔ اگر اب تک رہا ہے تو اس کا الزام مجھ پر نہیں ہے میں یہ باتیں تقریروں اور دروس میں کہتا رہا ہوں۔ ان میں سے اکثر باتیں لکھی اور چھپی ہوئی ہیں۔ بالفرض یہ ابہام کسی درجے میں بھی کسی کو رہا ہے تو اسے اب صاف ہو جانا چاہئے۔ کیوں کہ میں نے اپنا ذہن بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ جو رفیق اس میں اپنے فکر کی جو جمع تفریق جوڑنا چاہے جوڑ لے۔ ہر شخص اپنے فکر کے اعتبار سے اللہ کے ہاں مسؤل ہے۔ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ میں کسی کے عمل کا ذمہ دار نہیں اور کوئی میرے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ میں نے اپنا ذہن آپ کے سامنے اس لئے کھول کر رکھ دیا ہے تاکہ جو لوگ انشراح صدر کے ساتھ اس فکر کو قبول کر کے ساتھ دیں گے 'ان میں ہم آہنگی رہے گی ورنہ یہی ہو گا کہ قدم قدم پر جس طرح گاڑی KNOCK کرتی ہے اسی طرح رفقاء بھی جھجکیں گے۔ ساتھ چلیں گے نہیں۔ لہٰذا بنیادی بات صاف ہو جائے تو انشاء اللہ یہ رکاوٹ نہیں رہے گی۔"

"حاصل کلام یہ ہے کہ میں اپنے محدود مطالعہ کے ذریعہ جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک جب اسلام ایک سیاسی قوت و نظام کی حیثیت سے اس ملک میں قائم نہ ہو جو ایک مسلمان کا وطن ہے تو اس پر جس طرح نماز' زکوٰۃ' روزہ' اور حج فرض ہے' اسی طرح اس پر اقامت دین کے لئے جدوجہد کرنا بھی فرض عین ہے محض فرض کفایہ نہیں۔ اس بات پر میں پہلی تنقیح پر گفتگو کے موقع پر مفصل اظہار کر چکا ہوں۔ اب بطور خاتمہ کلام اتنا اور عرض کروں گا کہ جب ہم نے دعوت الی اللہ' اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کو فرض تسلیم کر لیا تو اس کے لئے لازمی و منطقی تقاضے کے طور یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ اس کام کے لئے سمع و طاعت کے اصول پر التزام جماعت بھی فرض ہے۔ جیسا کہ دوسری تنقیح کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے چند عقلی و نقلی دلائل آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔"

ہیئت تنظیم : بیعت

(ذ ذ) ایسی دینی جماعت کی ہیئتِ تنظیمی مغرب سے درآمد شدہ دستوری' قانونی' اور جمہوری طرز کی نہیں بلکہ قرآن و سُنّت اور اسلاف کی روایات سے مطابقت رکھنے والے بیعت کے اُصُول پر مبنی ہونی چاہیئے۔

داعی عمومی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے جو تفصیلی اظہار خیال فرمایا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔
"اب ہمیں اس مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ ایسی ہیئت اجتماعیہ یا ایسی دینی جماعت کی "ہیئتِ تنظیمی" کیا ہو؟ آیا وہ مغرب سے در آمد شدہ دستوری' قانونی اور جمہوری طرز کی ہو جس کا آج کل جماعتوں کی تشکیل کے لئے عام رواج اور دستور ہے یا وہ بیعت کے مسنون و ماثور اور اسلاف کی روایات سے مطابقت رکھنے والے اصول پر مبنی ہو...... جس کا حوالہ قرآن مجید میں بھی ملتا ہو اور سنت رسول اللہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام میں بھی۔ جس پر عمل پیرا ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی نظر آتے ہیں اور تابعین و تبع تابعین بھی...... جس کا نقشہ ہمیں شہیدین کی تحریک میں نظر آتا ہے۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ خلافت راشدہ تک سیاسی اور مذہبی قیادت ایک وحدت تھی لہٰذا بیعت بھی ایک ہی رائج تھی لیکن بنو امیہ کے دور میں جب خلفاء تقویٰ کے لحاظ سے اس مطلوبہ معیار کے مطابق نہ رہے جو خلفاء راشدین میں نظر آتا ہے تو بیعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک بیعت اطاعت خلافت خلیفہ وقت کے لئے ہوتی تھی اور دوسری بیعت ارشاد کسی مزکی و مربی اور مرشد کے ہاتھ پر ہوتی تھی۔ پھر اس بیعت ارشاد کے بھی کئی سلاسل وجود میں آ گئے۔ جیسے فقہی مسائل میں چار مسالک فقہ مشہور ہیں۔ ویسے ہی ذاتی رشد و ہدایت اور تزکیہ نفس کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی چار سلاسل مشہور ہیں۔
یہ بات سمجھ لیجئے کہ ان دو بیعتوں کے رائج ہونے کے اسباب کیا تھے؟ آپ امت کی تاریخ کو دو اہم ادوار میں تقسیم کیجئے۔ ایک دور تو وہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد رفتہ رفتہ انحطاط اور اضمحلال پیدا ہوا

لیکن شریعت و قانون اسلامی کا ڈھانچہ قائم (INTACT) رہا۔ لہٰذا اہلِ سنّت کے علماء و محققین کا موقف یہ رہا کہ ان حکمرانوں کے خلاف جماعتی شکل میں اٹھنا جائز نہیں ہے۔ ان حالات میں وعظ و نصیحت، افہام و تفہیم اور تنقید ہی تواصی بالحق کے فرض کی ادائیگی کے لئے کفایت کرے گی۔ اور سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق افضل جہاد قرار پائے گا۔ نبی اکرمؐ کے اس ارشاد کے مطابق کہ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ...... جتھہ بندی کر کے اور مہم چلا کر یا مسلح تصادم اور بغاوت سے اس کو بدلنے کی کوشش کرنا اہل سنت کے تمام مکاتیب فکر کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ **شریعت نافذ اور قانونِ اسلامی رائج ہے۔ مسلح بغاوت کی صرف اس صورت میں شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اجازت ہے جب خلیفہ یا امیر یا سلطان یا** ملک وقت کفر بواح (کھلے اور صریح کفر) کا حکم دے۔ لیکن اس نقطہ نظر کے خلاف بھی خلافت راشدہ کے بعد ابتدائی دور میں ہمیں مثالیں ملتی ہیں۔ خاص طور پر حضرۃ حسینؓ کا اقدام ہمیں اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ تو اس کے متعلق ہمارے اہل علم کی مختلف آرا ہمیں ملتی ہیں۔ بعض کے نزدیک حضرت حسینؓ کا یہ اقدام صحیح تھا اور بعض کے نزدیک بالکل غلط..... جو غلط کہتے ہیں وہ بھی اسے اجتہادی غلطی قرار دیتے ہیں۔ پھر مجمع علیہ موقف یہ ہے کہ مخلص اور صالح اور متقی حضرات کو اجتہادی خطا پر بھی اجر و ثواب ملے گا اور وہ اکہرا ہو گا۔ کسی مجتہد کی رائے صائب بھی ہو تو اس مصیب مجتہد کو دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔

اُمّت کا دورِ زوال

دوسرا دور وہ ہے جب ہمارا دین کا ڈھانچہ بھی قائم نہیں رہا اور پوری عمارت زمین بوس ہو گئی۔ اس موضوع پر میں "امت مسلمہ کا عروج و زوال" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھ چکا ہوں جو اکتوبر ۷۴ء کے میثاق میں شائع ہو چکا ہے اور نوائے وقت لاہور میں چھپ چکا ہے۔ اس دور میں نوعیت بالکل بدل گئی ہے۔ اس سے پہلے اس نوعیت کی تنظیمی کوشش ہو نہیں سکتی تھی۔ جب وہ قصر مسمار ہو گیا اور کم و بیش تمام ہی اسلامی ممالک محکوم ہو گئے۔ شریعت اور اسلامی قانون منسوخ کر دیا گیا۔ قاضیوں کی عدالتیں برطرف کر دی گئیں تو ان حالات میں جہاد و قتال کی تحریکیں اُبھرنے لگیں۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی ابھرے طرابلس (موجودہ لیبیا) میں سنوسی کی تحریک ابھری برصغیر پاک و ہند میں سید احمد بریلویؒ کی تحریک ابھری نجد میں محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک اٹھی جو وہابی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ تمام تحریکیں جہاد و قتال کے لئے برپا ہوئیں، یہ تمام تحریکیں بیعت کی بنیاد پر اٹھیں اور ان میں ہمیں بیعت جہاد کی سنت کی تجدید نظر آتی ہے۔

بیعت اور تحریکِ شہیدین

سید احمد بریلویؒ بیعت جہاد و قتال لیتے تھے اور آپ کو پتہ ہے کہ ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کس

کس نے کی تھی؟ان میں مولانا عبد الحئیؒ تھے وقت کے علماء احناف میں چوٹی کے عالم 'اور خانوادہ امام الہند شاہ ولی اللہ دھلوی کے چشم وچراغ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تھے ان کا مرتبہ! اللہ اکبر! جو بیک وقت جید عالم 'اعلیٰ پائے کے منطقی و فلسفی اور چوٹی کے مصنف تھے۔ ان کی کتابیں پڑھتے وقت دانتوں پسینہ آتا ہے۔ سید صاحبؒ کبھی فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ اہل حدیث سے کہتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل سے اور حنفی سے کہتے تھے کہ عبد الحئیؒ سے رجوع کرو۔ مجھ سے تو وہ فتویٰ پوچھو جو کوئی مفتی نہیں بتاتا اور وہ فتویٰ یہ ہے کہ دین کے غلبے کے لیے جہاد و قتال فرض ہے (کوئی اور مفتی یہ بات بتائے تو یسے بتائے! وہ اس میدان کا مرد ہی نہیں.....!) میری معلومات یہ ہیں کہ سید احمد بریلوی بھی باقاعدہ عالم دین نہیں تھے۔ البتہ جوش وولولہ تھا۔ ذہن وقلب پر جذبہ جہاد و قتال اس طرح مستولی تھا جیسے کسی شخص میں آگ بھری ہوئی ہو..... میرے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ عالم دین نہیں ہے اور امر واقعہ بھی یہی ہے۔ میں اگر ہوں تو صرف قرآن کا ایک ادنیٰ طالب علم اور حقیر خادم ہوں.....
بہر حال ذکر سید احمد بریلویؒ کا چل رہا تھا وہ صرف بیعت جہاد و قتال لیتے تھے اور جو مجاہدین بیعت ارشاد کے بھی خواہش مند ہوتے تھے ان کو سید صاحب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ یا مولانا عبد الحئیؒ کی طرف رجوع کرنے کے لئے مشورہ دیتے تھے۔

بیعت اور شیخ الہندؒ

ایک رقعہ کے ذریعے ایک رفیق نے اس واقعہ کی طرف توجہ دلائی ہے جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی مولانا ابو الکلام کے ہاتھ پر بیعت کی دعوت سے متعلق ہے۔ اس وقت میرا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔ ویسے میں یہ کوائف تفصیل سے میثاق میں لکھ چکا ہوں۔ یہ تو بالکل ماضی قریب کی بات ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ سن ۱۹۲۰ء میں جمعیت علماء ہند کے ایک کل ہند عظیم الشان اجتماع میں جس میں ہر مکتب فکر اور ہر مسلک کے چوٹی کے علماء شریک تھے۔ دیوبندی بھی تھے اور بریلوی بھی — ندوی بھی تھے اور فرنگی محلی بھی — اجمیری بھی تھے اور بدایونی بھی — دہلوی بھی تھے اور لاہوری بھی اور اہل حدیث بھی — سب موجود تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی (صدر جمعیت علماء) نے تجویز پیش کی کہ ہم سب کو جہاد کے لئے مولانا ابو الکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیئے۔ حالانکہ مولانا آزاد کو مستند عالم کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ یہ شیخ الہندؒ کی

وسعت ظرف اور وسعت قلب ہے - یہ اعلیٰ ظرفی اور قلب کی کشادگی جس کا مظاہرہ شیخ الہندؒ نے کیا تھا مجھے کسی اور عالم دین میں نظر نہیں آتی - شیخ الہندؒ نے جید علمائے وقت کے اس عظیم الشان اجتماع میں مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کی تجویز پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا -" اور فرمایا کہ "قرآن اور جہاد - دین تو نام ہی ان دو چیزوں کا ہے جس کی طرف ہمیں اس نوجوان نے متوجہ کیا" علماء کے اس عظیم اجتماع میں کسی نے بھی "نفس بیعت" پر اعتراض نہیں کیا - دو اعتراضات ہوئے پہلا تو یہ کہ بیعت کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس کے متعلق دفعتاً ایک مجلس میں فیصلہ کر لینا صحیح نہیں ہوگا - اس پر غور و فکر کے لئے مہلت اور وقت درکار ہے - دوسرا اعتراض مولانا آزاد کی علمیّت کے بارے میں کیا گیا چونکہ مولانا آزاد کسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل اور مستند عالم نہیں تھے - —— بہرحال ان دو اعتراضات کی بنیاد پر مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کی تجویز معرض التوا میں چلی گئی اور اس کے چند ماہ بعد حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا - اب شیخ الہندؒ جیسی کوئی زوردار اور مؤثر شخصیت موجود نہیں رہی تھی جو اس تجویز کو لے کر آگے بڑھتی لہٰذا معاملہ ٹھپ ہو گیا -

اس کے بعد مولانا آزاد نے حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت قائم کی اور اپنے طور پر جہاد پر بیعت لینے کا سلسلہ شروع کیا لیکن یہ کام زیادہ دیر چل نہ سکا اور اس کے بعد مولانا آزاد ہمہ تن کانگریس سے وابستہ ہو گئے اور ان کی تمام اعلیٰ صلاحیتوں اور توانائیوں سے کانگریس نے بھرپور فائدہ اٹھایا -

مغربی تصوّرات کی بالادستی

جماعت اسلامی پہلی جماعت ہے جس میں دستور اور قانون مرتب ہوا اور اس میں کسی حد تک جمہوریت کے بعض اصول اختیار کئے گئے۔ میری رائے میں یہ اس لئے ہوا کہ وہ دور تھا جس میں مغربی تصورات ہمارے ہاں مضبوط قدم جما چکے تھے اور ان تصورات کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے یہ ہوتا ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کی چھاپ کسی نہ کسی انداز سے لگتی ہے۔

یہ مغربی افکار و تصورات کی بالادستی کا دور ہے۔ اس کے جو NORM بن گئے ہیں اور جو معیارات قائم ہو گئے ہیں ان سے صرف نظر کرنا بہت مشکل ہے۔ لوگ بھی انگلیاں اٹھائیں گے کہ لو جی بیعت ہو رہی ہے یہ تو پیری مریدی کا چکر چل پڑا ہے۔ ڈر تو مجھے بھی رہتا ہے کہ فوراً ہی مذاق شروع ہو جائے گا۔ استہزاء ہو گا۔ تمسخر ہو گا۔ یگانے بھی کریں گے بیگانے بھی کریں گے۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا اہل کتاب جو ایک طرح سے اپنے ہیں یعنی جو توحید' وحی نبوت و رسالت انزال کتب اور آخرت کو ماننے والے ہیں ان سے بھی اور مشرکین سے بھی جو ان تمام باتوں کو تسلیم ہی نہیں کرتے ان دونوں سے بہت ہی تکلیف اور کوفت دینے والی باتیں سننی پڑیں گی...... لیکن بقول شاعر۔ جس کو ہو جان و دل عزیز...... اس کی گلی میں جائے کیوں؟...... تمسخر' استہزاء اور طنز برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے تو گھر بیٹھے اور واقعی کام کرنا ہے تو ان تمام دل آزار باتوں کو سننے کے لئے آمادہ اور تیار ہو"......

بیعت اور قرآن مجید

عربی میں' "البیع' کے معنی فروخت کرنے اور شراء کے معنی خریدنے کے ہیں۔ لیکن یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں...... خرید و فروخت میں بھی چونکہ عہد و معاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے "بیعت" کے لفظ میں کسی مقصد کے لئے کسی سے عہد و پیمان اور اس کی اطاعت کے اقرار کے مفاہیم شامل ہو جاتے ہیں۔ یعنی کسی خاص مقصد کے لئے اپنے آپ کو کسی ایسی ہستی کے سپرد کرنا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دینا جس کا مقام اس کی نظر میں ارفع و اعلیٰ ہو۔ خرید و فروخت کے لئے عربی کا دوسرا لفظ تجارت ہے۔ یہ دونوں الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ جمعہ ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے۔ "بیع' خرید و فروخت اور تجارت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (وذروا البیع) سود کی حرمت اور تجارت کی حلت کے حکم میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے (واحل الله البیع وحرم الربوا) انہی معنوں میں قرآن مجید میں لفظ بیع مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے...... اطاعت کے اقرار اور عہد و پیمان کے لئے اور اپنے آپ کو بالکلیہ کسی کے حوالے کرنے کے معانی میں یہ لفظ سورہ توبہ' سورہ فتح اور سورہ ممتحنہ میں استعمال ہوا ہے۔ آخر الذکر سورت میں خواتین کے اسلام قبول کرنے اور عہد و پیمان کرنے دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سورۂ توبہ میں' "البیع' اور شراء دونوں الفاظ اپنی پوری جامعیت کے ساتھ اطاعت کلی کے قول و قرار اور عہد و پیمان کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں' فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید

لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے اس طرزِ عمل پر پختہ وعدہ ہے تورات میں بھی' انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ چکالیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے" ...... سورۃ فتح میں بیعت کا ذکر بڑے مہتمم بالشان طریقے پر آیا ہے۔ نبی اکرمؐ جب عمرے کے لئے چودہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ روانہ ہوئے تو مکہ مکرمہ سے چند منزل دور آپؐ کو معلوم ہوا کہ قریش نے مزاحمت کا عزم کر رکھا ہے اور وہ مارنے مرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حدیبیہ کے مقام پر آپؐ پڑاؤ فرماتے ہیں اور قریش مکہ سے گفتگو کے لئے پیغامبروں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپؐ قریش کو سمجھانے کے لئے حضرت عثمانؓ کو مکہ مکرمہ بھیجتے ہیں۔ خبر ملتی ہے کہ وہؓ شہید کر دیئے گئے۔ جس کے سننے کے بعد آنحضرتؐ سے خون عثمانؓ کے قصاص کی بیعت لیتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ سورہ فتح میں اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں بلفحوائے آیت۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ اے نبیؐ! جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے' ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا" ...... آگے ان بیعت کرنے والوں کو بایں الفاظ مبارکہ بشارت دی جاتی ہے کہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَ اَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ○ "اللہ (ان) مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے (اے نبی!) آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اس (اللہ) کو ان کے دلوں کا حال معلوم تھا۔ اسی لئے اس اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ اور ان کو قریبی فتح بخشی"۔ حدیبیہ میں یہ بیعت درحقیقت صحابہ کرامؓ کی جان نثار کرنے کی وہ پیشکش تھی۔ جس کے نتیجے میں مومنین کے قلوب پر سکینت کا نزول بھی ہوا اور ان کو "فتحاً قریباً" جس سے مراد صلح حدیبیہ' کے بعد اسلام کے پھیلنے کے جو مواقع میسر آئے وہ بھی ہو سکتے ہیں اور فتح مکہ بھی' بشارت دی گئی اس سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بھی سامنے آتی ہے کہ جب مومنین صادقین کی ایک معتدبہ جماعت پورے عزم کے ساتھ اپنے آپ کو بغیر کسی خوف و خطرے کے کسی خطرے کے منہ میں جھونکنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے اور ہرچہ باداباد پر عمل کا پختہ فیصلہ کر لیتی ہے تو سکینت یعنی اطمینان و نشاط قلبی سے بھی اسے سرشار کیا جاتا ہے اور اس کے لئے کامیابی کی بشارت بھی ملتی ہے"۔

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا۔

بیعت اور حدیث

میں بیعت کے بارے میں چند حدیثیں' آپ کو سناتا ہوں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک حدیث ہے جو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ اپنی اپنی صحیح میں لائے ہیں گویا یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ صحابہ کرامؓ سے مختلف اوقات میں بیعت لیا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ "ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہؐ سے سمع واطاعت کی بیعت کرتے تو آپؐ ہم سے فرماتے کہ جس چیز کی تم طاقت رکھو"۔ ایک متفق علیہ حدیث اور سن لیجئے۔ غور کریں گے تو اس حدیث میں ایک خالص اسلامی تنظیم اور جماعت کا مکمل دستور آپ کو مل جائے گا۔ حدیث ہے۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَ الْمَكْرَهِ وَعَلَى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلَى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلَى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ (متفق علیہ۔ بخاری و مسلم)

"حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تنگی و آسانی، خوشی و ناخوشی (ہر حالت میں) اطاعت و فرماں برداری اپنی ذات پر (دوسرے کو) ترجیح دینے، اہلیت و صلاحیت رکھنے والوں سے معاملہ اطاعت میں نہ الجھنے جہاں کہیں بھی ہوں، حق بات کہنے اور اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پروانہ کرنے پر رسولؐ سے بیعت کی۔"

"اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ہم نے رسول اللہؐ سے اس امر پر بیعت کی کہ ہم اہلیت رکھنے والے لوگوں سے معاملہ اطاعت میں نہیں الجھیں گے الا یہ کہ ان سے ایسا کفر صریح ظاہر ہو جس پر ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو"۔

تعقل اور جذبات دونوں ضروری ہیں

"نظام بیعت کے متعلق میں نے اپنا فکر صحیح کی نشست میں آپ کے سامنے بلا کم و کاست رکھ دیا تھا۔ اور اس مسئلے پر متعدد احادیث اور ان کی تشریح آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں ——————— میں نے جب انجمن قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو خالص اور ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر ایک جماعت کی تشکیل کے ارادے کا بھی اظہار کر دیا تھا اور میرے پیش نظر اس سے بھی بہت پہلے یہ بات تھی کہ اگر اللہ کی تائید و نصرت میرے شامل حال رہی اور 'جماعت' کی تشکیل کا مرحلہ آیا تو اس کے طریق تنظیم کو بیعت کے اصول پر قائم کرنے

کی بھر پور کوشش کروں گا۔ میں نے یہ رائے محض جذبات سے متاثر ہو کر قائم نہیں کی تھی بلکہ عرصہ دراز تک اس پر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔ میرے نزدیک ہر قابلِ ذکر کام جذبات اور تعقل و تفکر دونوں کے امتزاج سے انجام پاتا ہے۔ عقل اور جذبے کے متعلق بڑی پیاری بات وہ ہے جو خلیل جبران نے کہی ہے یہ کہ "عقل سے روشنی حاصل کرو اور جذبے کے تحت حرکت کرو"۔ لوگ روشنی جذبات سے حاصل کرنا اور عقل کا کام جذبات سے لینا شروع کر دیتے ہیں، تو معاملہ تلپٹ ہو جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ عقل سے فیصلہ کیا جائے کہ کدھر جانا ہے! پھر اس راستے پر چلنے کے لئے جذبات سے کام لیا جائے۔ عقل چلنے نہیں دیتی۔ وہ بس یہ بتاتی ہے کہ راستہ ٹھیک ہے۔ چلنے کیلئے جذبے کی ضرورت ہوتی ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   اور عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل لبِ بام ہی بیٹھی رہے گی وہ کودنے کے لئے کبھی نہیں کہے گی۔ اس کے لئے عشق یعنی جذبہ درکار ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ میں نے محض جذبات میں آکر یا کسی فوری و وقتی واقعہ اور موقعہ سے متاثر ہو کر کوئی اہم فیصلہ اور اقدام نہیں کیا ہے۔ زندگی کے تمام اہم موڑ انتہائی غور، تعقل و تفکر کے بعد اختیار کئے ہیں اور جس راستے کو بھی اختیار کیا ہے علیٰ وجہ البصیرت اختیار کیا ہے اور جب اسے اختیار کیا ہے تو اس پر پورے جوش و ولولے اور جذبے کے ساتھ کام کیا ہے اور محنت کی ہے۔ جب اپنے مطب کو بند کر کے اپنے آپ کو ہمہ وقت و ہمہ تن خدمتِ دین اور دعوتِ اسلامی کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کیا ہے اور اس کے بعد حجازِ مقدس کی سرزمین پر بیت اللہ کے سامنے بیٹھ کر اللہ کے توکل پر اس کا فیصلہ کیا ہے اور جیسی کچھ بھی توتوں، صلاحیتوں اور توانائیوں کی حقیر سی پونجی میرے پاس ہے وہ پورے جذبے کے ساتھ اسی کام میں لگا دی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ میں نے تعقل سے فیصلے کئے ہیں اور جذبات سے ان فیصلوں کے مطابق کام کیا ہے۔"

رفقاء کو نصیحت اور دعوت

"اب میں اس موضوع پر گفتگو ختم کر کے آپ حضرات سے بطورِ نصیحت کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تین نشستوں میں اپنی قائم کردہ تین تنقیحات پر جو مفصّل اظہارِ خیال کیا ہے اُس کے ذریعے میں نے اپنا پورا ذہن کسی تحفّظِ ذہنی (MENTAL RESERVATION) کے بغیر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے ——— یہ فیصلے تو ان شاء اللہ کل ہوں گے۔ آج کی رات آپ حضرات غور و فکر کیجئے۔ صحیح فیصلے تک پہنچنے کے لئے دُعا کیجئے۔ استخارہ کیجئے۔ وقت نکال کر باہم افہام و تفہیم اور مشورہ کیجئے۔ یہ بہت اہم فیصلے ہوں گے۔ بہت بڑا اقدام ہوگا۔ بیعت کا نظام اختیار کرنے پر استہزا بھی ہوگا۔ تمسخر بھی ہوگا۔ مذاق بھی اڑیں گے۔ اپنے بھی اور پرائے بھی طنز کریں گے۔ سب سے زیادہ نشانہ تو میں خود بنوں گا۔ الحمدللہ میں نے اس کے لئے خود کو بہت پہلے سے تیار کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اگر ہم نے غلط قدم اٹھا دیا تو ہم دین کا مذاق اُڑانے کے مجرم بن جائیں گے۔ دو طرفہ معاملہ ہے۔ اگر ہم اس کو لے کر چل نہ سکے تو گویا کہ ہم اپنے عمل سے دین کی ذلت و رسوائی کا ایک اور ٹیکا لگانے کے جرم کا ارتکاب کریں گے۔ ان تمام امکانات کو سامنے رکھئے اور ان پر غور کیجئے سوچئے اور پھر پورے انشراحِ صدر کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔ میں نے تو بہرحال جب تنظیم کی تشکیل کا فیصلہ کیا تھا تو "مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" کی پکار لگائی تھی۔ جس پر لبیک کہہ کر آپ حضرات تنظیم میں شامل ہوئے ہیں اور اب پھر میں اسی پکار اور صدا کا اعادہ کرتا ہوں کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط ——— میں اب اس دستوری اور قانونی تنظیم کے بجائے بیعت کے ٹھیٹھ دینی اور مسنون اور ماثور اور سلف صالحین کی روایات کے مطابق نظام پر اس ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل کروں گا اور اس کے لئے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر توکل کرتے ہوئے خود اپنی ذات کو پیش کرتا ہوں۔ اب اسی نظامِ بیعت پر تنظیم چلے گی چاہے

ایک ہی رفیق میری اس پکار پر لبیک کہے۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ میں سے جو حضرات اس اتفاق رکھتے ہوں اور مجھ پر اعتماد کرتے ہوں، وہ میرا ساتھ دیں۔ لیکن اس سے پہلے میں آپ کو کھلی اجازت دیتا ہوں کہ میں نے اپنی مقرر کردہ تینوں تنقیحات پر جو اظہار خیال کیا ہے۔ ان ضمن میں کچھ اشکالات کسی کے ذہن میں ہوں تو وہ بلا جھجک اور بلا تکلف پیش کریں میں اپنی استعداد اور امکانی حد تک ان کا جواب دوں گا۔"

سوالات و جوابات

"نبی اکرمؐ اسلام کی جو بیعت لیتے تھے تو اس کے بعد بھی کیا مزید بیعت کی ضرورت باقی رہتی تھی؟" ڈاکٹر صاحب نے جواب میں فرمایا کہ "آپ اس بیعت کو بھول رہے ہیں جس کا قرآن مجید میں بڑے عظیم الشان اہتمام سے ذکر ہوا ہے جسے بیعتِ رضوان اور بیعتِ شجرہ کہا جاتا ہے جو ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر ہوئی تھی۔ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ یہ نہ بیعتِ اسلام تھی نہ بیعتِ خلافت تھی۔ یہ اسلام کے اندر ہی ایک بیعت تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کے لئے ان تمام صحابہ کرامؓ سے لی تھی جو وہاں موجود تھے ایک خاص مرحلہ درپیش تھا جس کے لئے یہ بیعت لی گئی تھی ویسے جو شخص بھی ایمان لایا تھا وہ جان و مال تو پیش کر ہی چکا تھا۔ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط۔ تو بظاہر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب بیعت کی کیا ضرورت ہے! کیا وہ صحابہ کرامؓ جو آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں گئے تھے اس بات سے واقف نہیں تھے! مزید برآں میں نے جن احادیث کا حوالہ دیا تھا ان میں اکثر احادیث متفق علیہ ہیں یعنی جن کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مرحلے پر کسی خاص اور کسی محدود مقصد کیلئے بھی بیعت کا ایک ثبوت عین سنت اور سیرتِ مطہرہ میں ہمارے پاس موجود ہے۔ لہٰذا

ہم جو نظام بیعت اختیار کرنے جا رہے ہیں وہ اس کے خلاف نہیں ہے یہ نہ بیعتِ اسلام ہے نہ بیعتِ خلافت ہے بلکہ بیعتِ جہاد ہے"۔ ایک رفیق نے سوال کیا کہ "جو رفقاء کسی دوسرے بزرگ کے ہاتھ پر بیعتِ ارشاد کر چکے ہیں کیا وہ تنظیم کے نظام بیعت میں شامل ہو سکیں گے اور جو رفقاء اب اس نظام بیعت میں شامل ہوں گے کیا وہ آئندہ کسی دوسرے بزرگ سے بیعتِ ارشاد کر سکیں گے؟" ——— داعی عمومی نے فرمایا کہ "میری رائے یہ ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے - ایسا کیا جا سکتا ہے - اور جو رفقاء پہلے ہی کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ارشاد کر چکے ہیں وہ بھی تنظیم کے نظام بیعت میں شامل ہو سکتے ہیں"۔ ایک رفیق نے سوال کیا کہ "کیا آپ نے بھی کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعتِ ارشاد کی ہے؟" ——— داعی عمومی نے جواب میں فرمایا کہ "نہیں میں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوں - میں نے اس مقصد کے لئے بہت بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی - لیکن میرا دل نہیں ٹھکا - اور آج تک نہیں ٹھکا ——— اور اب تو کچھ ہمت بھی جواب دے چکی ہے - اب میں قانع ہو چکا ہوں کہ میرا مرشد قرآن مجید ہے - مجھے اللہ تعالےٰ نے اس حبل اللہ المتین سے وابستہ کیا ہوا ہے - میں اس کو اپنے اوپر اللہ کا بہت بڑا فضل سمجھتا ہوں اور شاید میں نا قدری کا مرتکب ہوں گا اگر میں نے اب کسی اور طرف توجہ دی"۔ ایک رفیق نے سوال کیا کہ "کیا آپ بیعتِ ارشاد کی ضرورت کے قائل نہیں ہیں؟" ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ "نہیں ایسی بات نہیں ہے - مجھے اس ضرورت کا احساس رہا ہے - میں اس کا قائل رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ اصلاحِ نفس کے لئے کسی ایسے بزرگ سے وابستگی مفید ہوتی ہے لیکن پہلے ایسے بزرگ کی ذات پر علمی اور عملی دونوں اعتبارات سے دل کا ٹھکنا اور مطمئن ہونا ضروری ہے - یہ بیعتِ جہاد سے زیادہ بڑا مسئلہ ہے - بیعتِ جہاد کا معاملہ یہ ہے کہ مجھے اپنا فرض ادا کرنا ہے - مجھے کوئی معیاری شخصیت نہیں مل رہی تو جو شخص بھی اس وقت اس کی دعوت دے رہا ہے میں اس کی صدا پر لبیک کہہ رہا ہوں اور اس کے ساتھ تعاون کر رہا ہوں - بیعتِ ارشاد کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کسی شخص کی طرف قلبی

اصلاح کے لئے رجوع کرتے ہیں - اس قلبی اصلاح کے معاملے میں بہت ہی زیادہ وثوق اور اعتماد کی ضرورت ہے - جب ہی آپ ان بزرگ سے مستفید ہو سکیں گے ورنہ نہیں - اپنے آپ کو محض مطمئن کرنے کے لئے کہ ہم نے اصلاح نفس کے لئے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہوا ہے میرے نزدیک محض ایک خانہ پُری ہے - میں اپنا مزاج آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں سطحی کام کرنے کا قائل نہیں ہوں - میں جو کام کرتا ہوں پوری دلجمعی اور اس میں ہمہ وقت کھپنے کی کوشش کے عزم کے ساتھ کرتا ہوں ‘‘

ایک ضروری وضاحت

’’کل کی نشست میں بیعت کے اختیار کرنے کی بحث کے بعد ایک استصواب پر میں نے عرض کیا تھا کہ نظامِ بیعت کے مطابق تنظیم اسلامی میں شامل ہونے والے رفقاء کو بیعتِ ارشاد کے لئے کسی بزرگ سے بیعت کرنے کی اجازت ہوگی۔ لیکن بعد میں غور و فکر کے بعد ان نتائج پر پہنچا ہوں کہ :

۱ - جو رفقاء بیعتِ ارشاد کے لئے اگر کسی کے ہاتھ پر پہلے ہی بیعت کر چکے ہوں وہ اگر اب تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے لئے مجھ سے بیعت کرنے کا فیصلہ کریں تو یہ سمجھ کر کریں کہ یہ بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف اور ہجرت و جہاد بیعتِ ارشاد پر فائق و مقدم ہوگی۔

۲ - جو رفقاء نظامِ بیعت کے تحت آج تنظیمِ اسلامی میں شمولیت اختیار کریں گے یا جو آئندہ شامل ہوں گے، وہ کسی دوسرے بزرگ سے بیعت ارشاد کرنے سے قبل مجھ سے اجازت لیں گے اور اس امر کو ملحوظ رکھیں گے کہ تنظیم اسلامی کی بیعت ـــــ بیعت ارشاد پر فائق و مقدم ہوگی۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

فیصلے

چھ دن کی طویل نشستوں کے بعد حسب ذیل فیصلے ہوئے:

(i) "اقامتِ دین، شہادت علی النّاس اور غلبہ و اظہارِ دین کی سعی و جہد، نفلی عبادت یا اضافی نیکیاں نہیں بلکہ از روئے قرآن و حدیث بنیادی فرائض میں شامل ہیں!"

(ii) "ان فرائض کی ادائیگی کے لئے التزام جماعت لازم ہے۔"

(iii) آئندہ تنظیم اسلامی کا نظام مغرب سے درآمدہ دستوری، قانونی اور جمہوری اصولوں کے بجائے قرآن و سنّت سے ماخوذ اور اسلاف کی روایات کے مطابق بیعت کے اصول پر مبنی ہوگا۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کے داعی عمومی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب آج کے بعد سے "امیر تنظیم اسلامی" ہوں گے اور تنظیم میں داخلہ ان کے ساتھ طاعت فی المعروف کی بیعت کا شخصی رابطہ استوار کرنے سے ہوگا۔ اور وہ بحیثیت امیر تنظیم اسلامی اپنے فرائض " اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ " اور " شَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ " کی قرآنی ہدایات کے مطابق ادا کریں گے۔

(iv) تنظیم اسلامی کا عبوری دستور کالعدم متصوّر ہوگا اور امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ جن رفقاء سے مناسب سمجھیں مشورہ کر کے "شرائط شمولیت" میں ایسی لفظی ترامیم کر لیں جن سے 'دستوریت' اور 'قانونیت' کے بجائے ہدایات و رہنمائی کا رنگ پیدا ہو جائے اور تنظیم میں شمولیت کے لئے احادیث سے رہنمائی لے کر بیعت کے لئے مناسب عبارت تجویز کر لیں۔"

مزید طے پایا کہ

(الف) تنظیم اسلامی بحیثیت "تنظیم" انتخابات میں حصہ نہیں لے گی۔ نہ ہی کسی 'امیدوار' یا کسی 'جماعت' یا کسی 'محاذ' کے لئے تنظیم اسلامی یا اس کے رفقاء کوئی کنویسنگ یا عملی تعاون کریں گے۔

(ب) جہاں تک رفقائے تنظیم کے حق رائے دہی کا تعلق ہے جو ایک دوسرے اعتبار سے ایک امانت کی ادائیگی ہے۔ اس کے ضمن میں طے کیا گیا کہ رفقائے تنظیم اپنا ووٹ کسی ایسے امیدوار کے حق میں استعمال کر سکتے ہیں جو :

(i) خود بھی پابندِ شریعت ہو ——— اور

(ii) کسی ایسی جماعت سے وابستہ نہ ہو جس کا منشور اسلامی اصولوں سے متصادم ہو۔

صراحتیں :

۱۔ مندرجہ بالا اصول و مبادی میں " انتخابات " سے اصلاً مراد قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے وہ انتخابات ہیں، جن کے نتیجے میں کاروبارِ مملکت چلانے کے لئے ایوانات اور حکومتیں تشکیل پاتی ہیں۔ جن کے حیطۂ اختیار میں قانون سازی اور جن کے ہاتھوں میں قوتِ نافذہ کی زمامِ کار ہوتی ہے۔

۲۔ البتہ اِن " انتخابات " کے ذیل میں نیم سرکاری (——— SEMI-GOVERNAMENT) ادارے بھی شامل ہیں، جیسے بلدیاتی اور کونسلوں کے انتخابات وغیرہ۔

۳۔ تنظیم اسلامی " بحیثیتِ تنظیم " ایسے کسی انتخاب میں حصہ نہیں لے گی۔ یہ بات مندرجہ اصول و مبادی میں بصراحت موجود ہے۔ تنظیم کا کوئی رفیق بھی ایسے کسی انتخاب میں ذاتی، انفرادی، شخصی حیثیت سے بھی حصہ نہیں لے سکے گا۔ اس کی خلاف ورزی فسخِ بیعت اور اخراج عن التنظیم کی مستوجب ہوگی۔

۴۔ کالجوں، یونیورسٹیوں کی غیر جماعتی یونینوں کے انتخابات میں رفقائے تنظیم انفرادی حیثیت سے حصہ لینے کے مجاز ہوں گے۔ اسی کا اطلاق ٹریڈ یونینوں کے انتخاب پر بھی ہوگا۔ لیکن اس کے لئے رفقائے تنظیم کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ امیرِ تنظیم یا مقامی تنظیموں کے امراء سے پیشگی اجازت حاصل کرلیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے ترمیم شدہ شرائط شمولیت پیش فرمائیں جن میں چند رفقاء کے مشورے سے ایسی ترامیم کی گئی تھیں کہ ان کو علمی اور تربیتی مقام حاصل ہو گیا تھا۔

(یہ شرائط صفحاتِ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

شرائط شمولیت

ہر عاقل و بالغ شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت' اور خواہ وہ کسی بھی ذات برادری یا نسل سے تعلق رکھتا ہو اور خواہ وہ رُوئے زمین کے کسی بھی خطے میں رہائش پذیر ہو اس تنظیم میں شامل ہو سکتا ہے' بشرطیکہ وہ:

ا ۔ پورے شعور و ادراک کے ساتھ اقرار کرے کہ:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ یعنی میں یقین رکھتا ہوں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء و صفات سے ظاہر ہے اور قبول کرتا ہوں اس کے جملہ احکام' اقرار کرتا ہوں زبان سے اور تصدیق کرتا ہوں دل سے!۔ اور اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ یعنی میں یقین رکھتا ہوں اللہ پر' اور اس کے فرشتوں پر' اور اس کی کتابوں پر' اور اس کے رسولوں پر' اور یوم آخر پر' اور تقدیر پر کہ اس کی بھلائی اور برائی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر۔

تشریح: اسلام کی اساس ایمان پر قائم ہے اور ایمان کی تعبیر کے لئے ایمان مجمل اور ایمان مفصل کے مندرجہ بالا الفاظ جو سلف سے منقول ہیں' حد درجہ موزوں بھی ہیں اور نہایت جامع و مانع بھی۔ اس لئے کہ ان میں ایمانیات کی تفصیل کے علاوہ دو اہم اور بنیادی نکتے بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایمان زبانی اقرار (جو اس قانونی ایمان یعنی اسلام کا رکنِ اولین ہے جس پر تمام دنیوی معاملات کا دار و مدار ہے اور جس پر اسلامی ہیئتِ اجتماعی کی بنیاد قائم ہوتی ہے) اور تصدیق قلبی (جس پر اس حقیقی ایمان کا دار و مدار ہے جس کی بنا پر آخرت میں کوئی شخص مومن قرار پائے گا) دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ علمی و نظری اور اصولی اعتبار سے ایمان حقیقتاً ایمان باللہ ہی کا نام ہے۔ بقیہ تمام ایمانیات اسی اصل کی فروع اور اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ چنانچہ ایمان بالآخرت بھی اللہ تعالیٰ کی صفات حکمت و عدل ہی کا مظہر ہے اور ایمان بالرسالت بھی اس کی صفاتِ ربوبیت و ہدایت ہی کی توسیع۔

اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا.......... وہ ''اَلْاَحَد'' ہے

یعنی ہر اعتبار سے تنہا اور اکیلا' چنانچہ نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ صفات میں نہ حقوق میں نہ اختیارات میں' نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے نہ ہم کفو' نہ ہم سر ہے نہ ہم پلہ' نہ ضد ہے نہ ند' نہ مثل ہے نہ مثال...... وہ "الصمد" ہے یعنی وہ پورے سلسلۂ کون و مکان کا مبدع بھی ہے اور موجد بھی' خالق بھی ہے اور باری بھی' صانع بھی ہے اور مصور بھی' اور اسی کی توجہ و عنایت اسے تھامے بھی ہے اور قائم کئے ہوئے بھی۔

وہ پاک اور منزّہ و مبّرا ہے ہر عیب' ہر نقص' ہر کمی' ہر ضعف' ہر احتیاج' ہر غلطی اور ہر کوتاہی سے' گویا وہ "سبوح" بھی ہے اور "القدّوس" بھی...... اور جامع ہے تمام محاسن و کمالات کا' اور ہر خیر اور خوبی کا بدرجہ تمام و کمال' گویا وہ "الغنی" بھی ہے اور "الحمید" بھی' کسی کو کوئی قوت و طاقت حاصل نہیں بجز اس کے اذن و اجازت کے' گویا وہی "العلی" بھی ہے اور "العظیم" بھی اور "المتعال" بھی ہے اور "الکبیر" "المتکبر" بھی...... سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اس کی ذات وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اور اس کی ماہیت اور کنہہ کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اور اس کی معرفت کی واحد راہ اس کے اسماء و صفات کے واسطے ہی سے ہے چنانچہ تمام اچھے نام اسی کے ہیں اگرچہ متعین طور پر اس کے اسماء حسنٰی وہی ہیں جو قرآن اور حدیث نبویؐ میں وارد ہوئے...... اسی طرح وہ تمام صفات کمال سے بتمام و کمال متّصف ہے جن میں سے اہم ترین آٹھ ہیں یعنی حیات' علم' قدرت' ارادہ' سمع' بصر' کلام اور تکوین' چنانچہ وہی "الحیّ" بھی ہے اور "القیوّم" بھی اور "السمیع" بھی ہے اور "البصیر" بھی' "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" بھی ہے اور "بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" بھی' "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" بھی ہے اور "اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ" کی شان کا حامل بھی...... مزید براں اس کی جملہ صفات اس کی ذات ہی کے مانند مطلق و لامتناہی ہیں نہ کہ محدود و مقید' اور قدیم ہیں نہ کہ حادث اور ذاتی ہیں نہ کہ کسی اور کی عطا کردہ

فرشتے: وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے نور سے تخلیق فرمایا۔ وہ صاحب تشخّص وجود کے حامل ہیں نہ کہ مجرّد قوائے طبعیہ' ان کا نہ مذکر ہونا معلوم ہے نہ مونث' وہ خدا سے قرب ضرور رکھتے ہیں لیکن الوہیت میں ان کا کوئی حصہ نہیں' وہ اللہ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا حکم انہیں بارگاہ خداوندی سے ملے' وہ اللہ کے احکام

کی تنفیذ بھی کرتے ہیں اور خالق و مخلوق کے مابین پیغام رسانی بھی' چنانچہ وہی انبیاء ورسل تک وحی لاتے ہیں' ان کی تعداد بے شمار ہے لیکن چار بہت مشہور بھی ہیں اور جلیل القدر بھی یعنی حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام۔

اللہ کی کتابوں میں سے بھی چار ہی معلوم و معروف ہیں' یعنی توراۃ جو حضرت موسیٰؑ کو عطا ہوئی اور زبور جو حضرت داوٗدؑ کو عطا ہوئی اور انجیل جو حضرت عیسیٰؑ کو عطا ہوئی اور قرآن جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔ جو اللہ کی آخری کتاب اور نوع انسانی کے نام اللہ کا آخری اور مکمل پیغام ہے' جس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہ ہوگی اور جو من و عن محفوظ موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جبکہ باقی تینوں کتابیں ردّوبدل اور تغیرو تحریف کا ہدف بن چکی ہیں' گویا اب قرآن ہی ان کا "مصدق" بھی ہے اور "مہیمن" بھی..... ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پیغمبروں کو صحیفے عطا ہوئے جن میں سے کچھ اب دنیا میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں' باقی محرّف اور مبدّل ہیں۔

اللہ کے رسول نوع انسانی کے وہ برگزیدہ افراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے وقتاً فوقتاً چنا اور پسند فرمایا۔ وہ انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے اور سب گناہ سے پاک یعنی معصوم تھے' ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے' قرآن مجید میں جن کے نام مذکور ہیں ان کے سوائے کسی اور کو تعین کے ساتھ نبی یا رسول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان میں سے پانچ حد درجہ اولوالعزم اور نہایت عالی مرتبہ ہیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلّی اللہ علیہ وسلم..... ان میں سے بعض کو بعض پر بعض پہلوؤں سے جزوی فضیلت حاصل ہے' لیکن جملہ انبیاء ورسل پر فضیلت کُلی سیدُولدِ آدم حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہے' جو خاتم النبیّین بھی ہیں اور آخرالرسل بھی۔ اور جن کے بعد وحیٔ نبوّت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کلی طور پر بند ہو چکا ہے۔

انبیاء ورسل کی تائید و تقویت کے لئے اللہ تعالیٰ عام مادّی ضوابط کو عارضی طور پر معطّل کر کے گویا عادی قانون کو توڑ کر اپنی آیات ظاہر کرتا اور معجزات دکھاتا رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی بے شمار معجزے عطا ہوئے لیکن آپؐ کا اہم ترین اور عظیم ترین معجزہ معنوی ہے یعنی قرآن حکیم۔

یوم آخر: وہ دن ہے جس میں تمام انسان دوبارہ زندہ ہو کر عدالت خداوندی میں محاسبے

اور جزاو سزا کے فیصلے کے لئے پیش ہوں گے جس کے نتیجے میں یا جنت میں داخلہ ہو گا یا جہنم میں..... اس دن اقتدارِ مطلق اور اختیار کلی صرف اللہ واحد و قہار کے ہاتھ میں ہو گا۔ نہ کسی کو کسی جانب سے کوئی مدد مل سکے گی' نہ کوئی کچھ دے دلا کر چھوٹ سکے گا' نہ کوئی سفارش ہی خدا کی پکڑ سے بچا سکے گی۔ انبیاء ورسل' صلحاء' ملائکہ وارواح اور سب سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ کے اظہار و اعلان اور ان کے اعزاز و اکرام کے لئے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور گنہگار اہلِ ایمان کے حق میں ان کی شفاعت قبول بھی ہو گی' لیکن نہ وہ خدا کی مرضی اور منشا کے خلاف کچھ کہیں گے اور نہ ہی خدا کی صفتِ عدل باطل ہو گی۔

تقدیر کے خیر و شر کا من جانب اللہ ہونا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور مخلوقات میں سے کسی کے بس میں نہیں کہ بغیر اس کی اجازت محض اپنے ارادے سے کچھ کر سکے لہٰذا یہاں جو کچھ ظہورِ پذیر ہوتا ہے' خواہ وہ کسی کو بھلا لگے یا برا' اللہ کے اذن ہی سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کا عاجز و لاچار ہونا لازم آتا ہے۔ مزید بر آں وہ عَالِمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ بھی ہے چنانچہ اس پورے سلسلہ کون و مکان میں جو کچھ ماضی میں ہوا' یا حال میں ہو رہا ہے یا مستقبل میں ہو گا سب اس کے علم قدیم میں پہلے سے موجود ہے' اگرچہ اس کا یہ علم جبر محض کو مستلزم نہیں..... گویا ایمان بالقدر' دراصل اللہ تعالیٰ کی دو صفات یعنی قدرت اور علم کے مضمرات اور مقدرات ہی کو ماننے کا نام ہے۔

بعث بعد الموت سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا نفخہ اولیٰ ہو گا جس کے نتیجے میں کائنات کا پورا موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا اور سب پر ایک عمومی موت طاری ہو جائے گی۔ پھر جب اللہ کا اذن ہو گا نفخہ ثانیہ ہو گا اور سب جی اٹھیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیام قیامت پیدا ہونے والے آخری انسان تک سب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے۔

ب..... کلمہ طیبہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے جملہ مضمرات و مقدرات کے فہم و شعور کے ساتھ گواہی دے کہ۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

تشریح......۱۔ اس شہادت کے جزو اول کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کا خالق، پروردگار، مالک اور تکوینی و تشریعی حاکم صرف اللہ ہے، ان میں سے کسی حیثیت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ گویا "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" اور "لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ"

اس حقیقت کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ۔

۱۔ انسان اللہ کے سوا کسی کو ولی و کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا، فریادرس اور حامی و ناصر نہ سمجھے، کیونکہ کسی دوسرے کے پاس کوئی اقتدار ہے ہی نہیں۔

۲۔ اللہ کے سوا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے والا نہ سمجھے، کسی سے تقوے اور خوف نہ کرے، کسی پر توکل نہ کرے، کسی سے امیدیں وابستہ نہ کرے، کیونکہ تمام اختیارات کا مالک تنہا وہی ہے۔

۳۔ اللہ کے سوا کسی سے دعا نہ مانگے، کسی کی پناہ نہ ڈھونڈے، کسی کو مدد کے لئے نہ پکارے، کسی کو خدائی انتظامات میں ایسا دخیل اور زور آور بھی نہ سمجھے کہ اس کی سفارش قضائے الٰہی کو ٹال سکتی ہو، کیونکہ خدا کی سلطنت میں سب بے اختیار رعیت ہیں، خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء۔

۴۔ اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکائے، کسی کی پرستش نہ کرے، کسی کو نذر نہ دے اور کسی کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے جو مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ کرتے رہے ہیں، کیونکہ تنہا ایک اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

۵۔ اللہ کے سوا کسی کو بادشاہ، مالک الملک اور مقتدر اعلیٰ تسلیم نہ کرے، کسی کو باختیار خود حکم دینے اور منع کرنے کا مجاز نہ سمجھے، کسی کو مستقل بالذات شارع اور قانون ساز نہ مانے اور ان تمام اطاعتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے جو ایک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت اور اس کے قانون کی پابندی میں نہ ہوں، کیونکہ اپنے ملک کا ایک ہی جائز مالک اور اپنی خلق کا ایک ہی جائز حاکم اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو مالکیت اور حاکمیت کا حق نہیں پہنچتا۔

نیز اس عقیدے کو قبول کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ۔

۶۔ انسان اپنی آزادی و خود مختاری سے دستبردار ہو جائے، اپنی خواہش نفس کی بندگی چھوڑ دے اور اللہ کا بندہ بن کر رہے جس کو اس نے الٰہ تسلیم کیا ہے۔

۷۔ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک مختار نہ سمجھے، بلکہ ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان، اپنے اعضاء

اور اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو بھی اللہ کی ملک اور اس کی طرف سے امانت سمجھے۔

۸۔ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ سمجھے اور اپنی قوتوں کے استعمال اور اپنے برتاؤ اور تصرفات میں ہمیشہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھے کہ اسے قیامت کے روز اللہ کو ان سب چیزوں کا حساب دینا ہے۔

۹۔ اپنی پسند کا معیار اللہ کی پسند کو اور اپنی ناپسندیدگی کا معیار اللہ کی ناپسندیدگی کو بنائے۔

۱۰۔ اللہ کی رضا اور اس کے قرب کو اپنی تمام سعی و جہد کا مقصود اور اپنی پوری زندگی کا محور ٹھہرائے۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی اس کا محبوب حقیقی اور مطلوب و مقصود اصلی بن جائے۔

۱۱۔ اپنے لئے اخلاق میں' برتاؤ میں' معاشرت اور تمدن میں' معیشت اور سیاست میں' غرض زندگی کے ہر معاملے صرف اللہ کی ہدایت کو ہدایت تسلیم کرے اور ہر اس طریقے اور ضابطے کو رد کر دے جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہو۔ اس شہادت کے جزو ثانی سے واضح ہوتا ہے کہ سید ولد آدم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ اللہ کے بندے ہیں اور دوسرے یہ کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ پہلی حیثیت کے اعتبار سے آپ عبدیت کاملہ کے مقام پر فائز ہیں اور آپؐ کی اس حیثیت کے علم اور اعتراف سے شرک کی ان جملہ اقسام کا کامل سدباب ہو جاتا ہے جن میں سابقہ امتیں اپنے اپنے انبیاء و رسل کے فرط احترام' شدت عقیدت اور غلو محبت کے باعث ملوث ہو گئیں اور دوسری حیثیت کے اعتبار سے آپؐ کے فرق مبارک پر ختم نبوت اور ختم رسالت کا تاج بھی ہے اور آپ کے دست مبارک میں شہنشاہ ارض و سما کی جانب سے اتمام نعمت شریعت اور تکمیل دین حق کا فرمان شاہی بھی۔ گویا سلطان کائنات کی طرف سے روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو جس آخری نبیؐ کے ذریعہ مستند ہدایت نامہ اور ضابطہ قانون بھیجا گیا اور جس کو اس ضابطہ کے مطابق کام کر کے ایک مکمل نمونہ قائم کر دینے پر مامور کیا گیا' وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس امر واقعی کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ انسان کو جملہ مخلوقات میں شدید ترین محبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہو اور آپؐ کی اطاعت اور اتباع ہی زندگی کا اصل طریق بن جائے گویا۔

۱۔ انسان ہر اس تعلیم اور ہر اس ہدایت کو بے چون و چرا قبول کرے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

۲۔ اس کو کسی حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنے کے لئے اور کسی طریقہ کی پیروی سے روک

دینے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہو کہ اس چیز کا حکم یا اس چیز کی ممانعت رسولؐ خدا سے ثابت ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری دلیل پر اس کی اطاعت موقوف نہ ہو۔

۳۔ رسولؐ خدا کے سوا کسی کی مستقل بالذات پیشوائی و رہنمائی تسلیم نہ کرے۔ دوسرے انسانوں کی پیروی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے تحت ہو' نہ کہ ان سے آزاد۔

۴۔ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کو حجت اور سند اور مرجع قرار دے' جو خیال یا عقیدہ یا طریقہ کتاب و سنت کے مطابق ہو اسے اختیار کرے' جو اس کے خلاف ہو اسے ترک کر دے' اور جو مسئلہ بھی حل طلب ہو اسے حل کرنے کے لئے اسی سرچشمہ ہدایت کی طرف رجوع کرے۔

۵۔ تمام عصبیتیں اپنے دل سے نکال دے خواہ وہ شخصی ہوں یا خاندانی' یا قبائلی و نسلی' یا قومی و وطنی' یا فرقی و گروہی۔ کسی کی محبت یا عقیدت میں ایسا گرفتار نہ ہو کہ رسولؐ خدا کے لائے ہوئے حق کی محبت و عقیدت پر وہ غالب آجائے یا اس کی مدِ مقابل بن جائے۔

۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نہ تو کسی بھی معنی میں نبی یا رسول سمجھے نہ معصوم اور نہ ہی کسی کا یہ منصب اور مرتبہ سمجھے کہ اس کے ماننے پر انسان کا مومن و مسلم سمجھا جانا منحصر ہو۔

نیز اسی کے متضمنات کی حیثیت سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ۔

۷۔ یہ تسلیم کیا جائے کہ آپؐ نے جو نظام قائم فرمایا اور جو خلافت راشدہ کے دوران بتمام و کمال قائم رہا' وہی دین حق' اور "نظام اسلامی" کی صحیح ترین اور واحد مسلمہ تعبیر ہے۔ گویا خلافت راشدہ فی الواقع "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" تھی۔ اور خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ' عمر فاروقؓ' عثمان غنیؓ اور علی حیدرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ "خلفائے راشدین و مھدیین" ہیں جن کی سنت آنحضور کے بعد دین میں حجت کا درجہ رکھتی ہے۔

۸۔ یہ یقین رکھا جائے کہ صحابہ کرام رضوان تعالیٰ علیہم اجمعین جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپؐ کی تعلیم اور تزکیہ و تربیت سے براہ راست فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی من حیث الجماعت پوری امت میں افضلیت مطلقہ کے حامل ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی غیر صحابی کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ ان کی محبت جزو ایمان ہے' ان کی تعظیم و توقیر دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ہے اور ان سے بغض و عداوت اور ان کی تحقیر و توہین درحقیقت آنحضورؐ سے بغض و عداوت اور آپؐ کی تحقیر و توہین ہے...... ان

کے مابین جزوی فضیلت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں لیکن فضیلت کلی متعین طور پر اس طرح ہے کہ تمام صحابہ رضؓ میں ایک اضافی درجہ فضیلت حاصل ہے حضرت اصحاب بیعت رضوان کو' پھران پر ایک مزید درجہ فضیلت حاصل ہے حضرات اصحاب بدر کو' پھران پر ایک اور درجہ فضیلت کے حامل ہیں حضرت عشرہ مبشرہ اور ان میں فضیلت مطلقہ حاصل ہے حضرات خلفاء اربعہ کو اور ان میں افضلیت علیٰ ترتیب الخلافت ہے یعنی افضل بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ' پھر درجہ ہے حضرت عمر فاروق رضؓ کا پھر مقام ہے حضرت عثمان غنی رضؓ کا اور پھر مرتبہ ہے حضرت علی حیدر رضؓ کا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین!

مزید بر آں صحابہ کرام رضؓ کل کے کل "عدول" ہیں اور ان کے مابین اختلاف و نزاع نفسانیت کی بنا پر نہیں بلکہ خطائے اجتہادی کی بنا پر ہوا۔ چنانچہ مشاجرات صحابہ رضؓ کے باب میں محتاط ترین روش تو یہ ہے کہ "کف لسان سے کام لیا جائے اور کامل سکون اختیار کیا جائے تاہم کوئی حقیقی اور واقعی ضرورت ہی لاحق ہو جائے تو ایک کو "مصیب یعنی صحیح موقف پر اور دوسرے کو "مخطی یعنی راہ خطائے اجتہادی پر تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن کسی کو بھی سب و شتم یا الزام و اتہام کا ہدف بنانا جائز نہیں ہے۔

ج...... ہر قسم کے کفر اور جملہ انواع و اقسام شرک اور تمام رذائل و ذمائم اخلاق سے شعوری طور پر اعلان برات کرے' بایں الفاظ کہ۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا
اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَ اسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَ
تَبَرَّأْتُ مِنَ الْکُفْرِ وَ الشِّرْکِ وَالْکِذْبِ وَالْغِیْبَةِ
وَالْبِدْعَةِ وَ النَّمِیْمَةِ وَالْفَوَاحِشِ وَ الْبُھْتَانِ
وَالْمَعَاصِیْ کُلِّھَا

یعنی "اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیرے ساتھ کسی کو جانتے بوجھتے شریک کروں اور تجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوں اگر کبھی بے سمجھے بوجھے ایسا ہو جائے اور میں اعلان برات کرتا ہوں ہر نوع کے کفر سے' شرک سے' جھوٹ سے' غیبت سے' بدعت سے' چغل خوری سے' بے حیائی کے کاموں سے' بہتان طرازی سے اور جملہ نافرمانیوں سے"۔

تشریح...... ایمان کی طرح کفر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک کفر حقیقی یا کفر قلبی اور دوسرے کفر قانونی یا کفری ظاہری۔ کفر حقیقی یا کفر قلبی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری اور اس کی ہر معصیت اور ہر نافرمانی پر ہو جاتا ہے لیکن جہاں تک اس کفر قانونی یا کفر شرعی کا تعلق ہے جس کی بنا پر کسی کی تکفیر کر کے اس کا رشتہ ملت اسلامی سے منقطع کر دیا جائے تو وہ ضروریات دین میں سے کسی کے انکار ہی سے لازم آتا ہے' مجرد بے عملی یا نافرمانی حتیٰ کہ کبائر کے ارتکاب سے بھی لازم نہیں آتا۔

اسی طرح شرک کی بھی بے شمار اقسام ہیں مثلاً بعض شرک اعتقادی ہیں اور بعض صرف عملی ،بعض جلی ہیں اور بعض خفی 'تاہم جملہ انواع و اقسام شرک کا ایک احصا اور احاطہ اس طرح ممکن ہے کہ ایک شرک فی الذات ہے یعنی یہ کہ کسی کو کسی اعتبار سے خدا کا ہم جنس یا ہم کفو بنا دیا جائے جس کا کامل رد ہے سورہ اخلاص میں۔ دوسرے شرک فی الصفات ہے یعنی کسی کو کسی صفت کے اعتبار سے خدا کا مثل یا مثیل بنا دیا جائے جس کا نہایت مکمل سدباب ہے آیت الکرسی میں اور تیسرے شرک فی الحقوق ہے جس کی جامع ترین تعبیر شرک فی العبادت ہے جس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کوئی خدا سے بڑھ کر یا اس جتنا محبوب و مطلوب ہو جائے اور یہ بھی کہ کسی کو علی الاطلاق مطاع مان لیا جائے یعنی اس کی اطاعت خدا کی اطاعت سے آزاد تسلیم کر لی جائے اور یہ بھی کہ عام مادی قانون اور ظاہری قواعد و ضوابط کے دائرے سے باہر کسی سے استعانت اور استمداد و استغاثہ کیا جائے یا اس سے دعا کی جائے اور اسے پکارا جائے (عام مادی قوانین کے تحت بھی اگر کسی کے بارے میں یہ خیال ہو کہ محض اپنی قوت اور ارادے سے کسی کو نفع یا ضرر پہنچا سکتا ہے تو یہ شرک فی الصفات کی ایک قسم یعنی شرک فی القدرت اور شرک فی التصرف ہو گا۔ مزید بر آں شرک کی اسی نوع کے ذیل میں آتے ہیں ریا اور سمعہ بھی اور کسی کے لئے کسی بھی نیت سے ان مراسم عبودیت کو بجالانا بھی جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں جیسے سجدہ اور نذر!

رذائل و ذمائم اخلاق کی مکمل فہرست دینا ممکن نہیں۔ تاہم انسان ان سے اجتناب کرے جو اوپر بیان ہوئے تو دوسروں کا سدباب خود بخود ہو جائے گا!۔

د...... سابقہ زندگی کے تمام گناہوں پر نہایت الحاح وزاری سے بارگاہ خداوندی میں مغفرت کا طلب گار ہو اور آئندہ کے لئے کامل خلوص و اخلاص کے ساتھ توبہ کرے 'ان الفاظ کے ساتھ کہ۔

استغفرالله ربی من کل ذنب اذنبته عمدا
او خطأً سرا اوعلانیة و اتوب الیه
من الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی
لااعلم انک انت علام الغیوب و غفار الذنوب

"یعنی میں اللہ سے معافی کاخواستگار ہوں تمام گناہوں پر خواہ میں نے جان بوجھ کر کئے ہوں یا غیر ارادی طور پر 'اور خواہ چھپ چھپا کر کئے ہوں خواہ علانیہ طور پر 'اور خواہ وہ میرے علم میں ہوں خواہ میرے علم میں نہ ہوں۔ اے اللہ تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا اور تمام عیبوں کی پردہ پوشی کرنے والا اور تمام گناہوں کی بخشش فرمانے والا ہے!"۔

تشریح...... توبہ صرف زبان سے کلمات توبہ کے ادا کر دینے یا ان کے ورد یا وظیفہ بنا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ گناہ پر حقیقی ندامت اور واقعی پشیمانی اور معصیت سے کلی اجتناب کے عزم مصمم کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں رجوع کرنے اور گناہ و معصیت کو بالفعل ترک کر دینے کا نام ہے یہ تین شرائط ان کوتاہیوں کے ضمن میں کافی ہیں جو حقوق اللہ کے باب میں ہوں' حقوق العباد سے تعلق رکھنے والے معاصی کے لئے ایک چوتھی اضافی شرط یہ ہے کہ جس کسی پر زیادتی ہوئی ہو اس کی تلافی کی جائے یا اس سے معافی حاصل کی جائے۔

بنابریں توبہ کی صحت کے لئے لازم ہے کہ جو شخص تنظیم اسلامی میں شمولیت کا خواہاں ہو وہ۔

ا۔ جملہ فرائض دینی کی پابندی اختیار کرے اور تمام کبائر سے فی الفور مجتنب ہو جائے۔ بالخصوص ارکان اسلام کی پوری پابندی کرے۔ چنانچہ نماز قائم کرے (مردوں کے لئے التزام جماعت بھی ضروری ہے) 'رمضان المبارک کے روزے رکھے' صاحب نصاب ہو تو باقاعدہ حساب کے ساتھ پوری زکوٰۃ ادا کرے۔ اور صاحب استطاعت ہو اور تاحال حج

بیت اللہ نہ کیا ہو تو فوراً نیت کرے اور جلد از جلد فریضہ حج ادا کرے۔

۲۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ اتباع کرے اور ایسی تمام بدعات اور رسومات کو ترک کر دے جن کا ثبوت قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ملتا ہو۔

تشریح..... ان بدعات ورسومات کا زیادہ زور شادی' بیاہ' پیدائش' عقیقہ' ختنہ' سالگرہ' فو تیدگی اور تہواروں کے مواقع پر ہوتا ہے۔ ان سب میں لازم ہو گا کہ اپنے معاملات کو زیادہ سے زیادہ قرون اولیٰ کے مطابق بنایا جائے اور بعد کے اضافوں کو ترک کر دیا جائے۔

۳۔ اگر کوئی ایسا ذریعہ معاش رکھتا ہو جو معصیت فاحشہ کے ذیل آتا ہو جیسے چوری' ڈاکہ' سود' شراب' زنا' رقص و سرود' شہادت زور' رشوت' خیانت' جوا اور سٹہ وغیرہ تو اسے ترک کر دے۔

تشریح..... اس بات کا تو بظاہر احوال کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہ لوگ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے خواہاں ہوں جن کی معاش چوری یا ڈاکہ' شراب کی تیاری یا اس کی فروخت وغیرہ' عصمت فروشی یا رقص و سرود ایسے قبیح کاموں سے متعلق ہو تاہم اگر اللہ تعالیٰ ایسے کسی کاروبار سے متعلق کسی فرد کو اصلاح کی توفیق دے تو یہ بھی اس کی رحمت سے بعید نہیں۔ بہرصورت ان تمام کاموں کی حرمت اور قباحت و شناعت ہمارے معاشرے میں معلوم و معروف ہے..... البتہ بعض حرام چیزیں کچھ اس طرح ہمارے معاشرے میں جاری و ساری ہو گئی ہیں کہ عام لوگ یا تو ان کی قباحت سے ہی آگاہ نہیں رہے یا انہوں نے کسی مجبوری کے عذر کی بنیاد پر ان کو اپنے لئے مباح کر لیا ہے۔ ان میں سے مکروہ ترین چیز ہے سود' جس سے باز نہ آنے پر قرآن حکیم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اعلان جنگ کی وعید سناتا ہے اور دوسرے نمبر پر ہے رشوت اور سرکاری حیثیت اور اختیار کا ناجائز استعمال اور ان پر مستزاد ہیں بیع و شرا کی بعض ناجائز صورتیں اور سرکاری محاصل (انکم ٹیکس' کسٹم ڈیوٹی وغیرہ) سے بچنے کے لئے اخفاو کذب بیانی۔

ہمیں خوب اندازہ ہے کہ اس وقت جو خدا ناشناس اور عاقبت نا آشنا نظام پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور پورا انسانی معاشرہ بحیثیت مجموعی جس فساد اخلاق میں مبتلا ہے اس کے پیش نظر ان تمام چیزوں سے کامل اجتناب نہایت مشکل اور صبر آزما کام ہے لیکن تنظیم اسلامی جن مقاصد کے لئے قائم کی جارہی ہے اس کے پیش نظر لازم ہے کہ اس سے عملی وابستگی کے لئے وہی لوگ آگے بڑھیں جو رخصتوں اور حیلوں پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت اور صبر و توکل کو اپنا شعار بنائیں اور ہر اس ذریعہ معاش کو ترک کرنے کی کوشش کریں جس میں حرام کی آمیزش ہو۔ اس معاملے میں سردست حسب ذیل تصریحات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۔ سود لینا اور دینا قطعاً حرام ہیں' لہٰذا بینکوں یا دیگر اداروں سے نہ کوئی رقم کسی بھی غرض کے لئے سود پر قرض لی جاسکتی ہے' نہ سیونگ اکاؤنٹ یا فکسڈ ڈیپازٹ یا نقد رقم پر معینہ منافع کی کسی بھی دوسری صورت میں سرمایہ لگانا درست ہے۔ چنانچہ بینکوں سے صرف عام سروسز جیسے ترسیل زر یا لاکرز سے انتفاع یا زیادہ سے زیادہ کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے کی سہولتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

۲۔ کسی ایسے کاروباری ادارے کی ملازمت بھی درست نہیں ہے' جس میں سود کو غالب عنصر کی حیثیت حاصل ہو جیسے بنک اور انشورنس کمپنیاں۔

۳۔ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ البتہ کسی ایسی صورت میں کہ کسی ظالم اہلکار یا صاحب اختیار کو اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے کچھ مجبوراً دینا پڑے تو اس کا شمار استحصال بالجبر میں ہو گا رشوت میں نہیں۔ البتہ یہ صرف اسی صورت میں ہو گا کہ نہ کوئی ناجائز انتفاع مطلوب ہو' نہ کسی سرکاری قانون اور پابندی سے بچنا مقصود ہو اور نہ ہی کسی اور کے جائز حقوق پر زد پڑتی ہو۔

۴۔ سرکاری محاصل کے ضمن میں جتنی رعایتیں مروجہ قانون کے اندر اندر ممکن ہوں ان سے بڑھ کر کسی ایسی صورت کو اختیار کرنا درست نہیں جس میں کذب' فریب اور شہادت

زور شامل ہوں۔

۵۔ کاروبار کی مختلف صورتوں میں سے بھی جن جن میں بیع فاسد یا جوئے یا سٹے یا احتکار وغیرہ کا عنصر شامل ہو اس سے بچنا لازم ہے

۶۔ اگر اس کے قبضے میں ایسا مال یا جائداد ہو جو حرام طریقے سے آیا ہو یا جس میں حق داروں کے تلف کردہ حقوق شامل ہوں تو اس سے دستبردار ہو جائے اور اہل حقوق کو ان کے حق پہنچادے۔ البتہ یہ عمل صرف اس صورت میں کرنا ہوگا جب کہ حق دار بھی معلوم ہوں اور وہ مال بھی معلوم و متعین ہو جس میں ان کا حق تلف ہوا ہے۔ بصورت دیگر توبہ اور آئندہ کے لئے طرز عمل کی اصلاح کافی ہوگی۔

۷۔ اپنی معاشرت میں جملہ اسلامی احکام کی پابندی کرے خصوصاً ستر اور حجاب کے شرعی احکام پر عمل پیرا ہو۔

۸۔ گہرے احساس ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرے کہ وہ ہر طرف سے یکسو ہو کر صرف اللہ کا ہو کر رہے گا، رضائے الٰہی ہی اس کا اصل مقصود و مطلوب ہوگی اور نجات و فلاح اخروی کا حصول ہی اس کا اصل نصب العین ہو گا...... اور جس طرح اس کی نماز اور قربانی صرف اللہ کے لئے ہوگی اسی طرح اس کے جسم و جان، مال و منال حتیٰ کہ زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لئے ہوں گے۔ یعنی انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ○......اور......ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین

تشریح ہر ذی شعور مسلمان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی پوری زندگی اس کی کامل اطاعت میں دیدے (جو لازماً اطاعت رسولؐ ہی کے واسطے سے ہو گی!) اسی رویّے کا نام عبادت رب ہے جو ہر انسان سے اللہ کا پہلا مطالبہ ہے اور جس کی طرف نوع انسانی کو دعوت دینے کے لئے تمام انبیاء ورسل مبعوث ہوئے اور جو از روئے قرآن جنوں اور انسانوں کا عین مقصد تخلیق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ اپنی صحت و قوت، فرصت و فراغت، صلاحیت و استعداد، مال و دولت، اور وسائل و ذرائع کا زیادہ سے زیادہ حصہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، احقاق حق اور ابطال باطل، دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین، نصرت خدا و رسولؐ اور حمایت و اقامت دین، اور شہادت حق علی الناس، اور اظہار دین حق علی الدین کلہ، کے لئے وقف کر دے اور اس کے لئے محنت و

مشقت' انفاق و ایثار' ترک و اختیار' ابتلاو آزمائش' صبرو مصابرت' استقامت و مقاومت...... الغرض ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے جملہ مراحل کے لئے مقدور بھر ہمت و عزیمت کی راہ اختیار کرے۔ یہ تمام فرائض ہر مسلمان پر حسب صلاحیت و استعداد اور مطابق وسعت و قوت عاید ہوتے ہیں اور ان کی انجام دہی میں ہی بندے کی وفاداری کا اصل امتحان ہے!

---

۱۰ اگست ۷۷ء کو جو عہد نامہ رفاقت تنظیم اسلامی مع الفاظ بیعت طے ہوا تھا۔ اس میں بعدہ ترمیم ہوئی۔ لہٰذا اس وقت رائج عہد نامہ رفاقت صفحات ۱۰۴-۱۰۵ پر پیش کیا جا رہا ہے۔

منہجِ انقلابِ نبویؐ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی
جدوجہد کے رہنما خطوط

غارِ حرا کی تنہائیوں سے لیکر
مدینۃ النبیؐ میں اسلامی ریاست کی تشکیل اور اسکی بین الاقوامی توسیع تک
اسلامی انقلاب کے مراحل مدارج اور لوازم
پر مشتمل
ماہنامہ "میثاق" میں شائع شدہ
امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد
کے دس خطبات کا مجموعہ

قیمت: ۲۰/- روپے　　صفحات:　　(نیوز پرنٹ)

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

اور سب مِل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو

Seiko
BRAKE + CLUTCH LINING

میسی فرگوسن ٹریکٹر کے ہر ماڈل پرزہ جات کے ہول سیل ڈیلر

S SEIKO سٹاکسٹ: طارق آٹوز ۱۳۔ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۰۹۶۰

حدیثِ مبارک

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ
مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور نادان و ناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشاتِ نفس کو تابع کر دے اور اللہ سے اُمیدیں باندھے۔

عطیہ اشتہار: منجانب **عبداللہ نفیس**

عقدُ الرِّفاقةِ لِلتّنظيمِ الاسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
(صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

☐ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ
وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

✪ اِنِّیْ اُعَاهِدُ اللّٰهَ

- عَلٰى اَنْ اَهْجُرَ كُلَّ مَا يَكْرَهُهٗ
- وَاُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِهٖ جُهْدَ اِسْتِطَاعَتِيْ
- وَاُنْفِقَ مَالِيْ وَاَبْذُلَ نَفْسِيْ

لِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ وَاِعْلَاءِ كَلِمَتِهٖ

✪ وَلِاَجْلِ ذٰلِكَ
اُبَايِعُ الدّكتور اسرار احمدَ اميرَ التّنظيمِ الاسلامی

- عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَعْرُوْفِ

فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ
وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ
وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيَّ

- وَعَلٰى اَنْ لَّا اُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ
- وَعَلٰى اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنْتُ

لَا اَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

☐ اَسْتَعِيْنُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَاسْتَقْدِرُهٗ عَلَى الْاِسْتِقَامَةِ
عَلَى الدِّيْنِ وَاِيْفَاءِ هٰذَا الْعَهْدِ

التّاريخ ________

التوقيع ________

عہدنامۂ رفاقت تنظیمِ اسلامی

——— اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے ———

☐ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اُس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسُول ہیں۔

☐ مَیں اللہ تعالےٰ سے اپنے (آج تک کے) تمام گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں۔ اور (آئندہ کے لیے) خلوصِ دل کے ساتھ اُس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔

✪ مَیں اللہ تعالےٰ سے عہد کرتا ہوں کہ :

- اُن تمام چیزوں کو ترک کر دُوں گا جو اُسے ناپسند ہیں۔
- اور اُس کی راہ میں مقدور بھر جہاد کروں گا
- اور اُس کے دین کی اقامت اور اُس کے کلمہ کی سربلندی کے لیے اپنا مال بھی صَرف کروں گا اور جان بھی کھپاؤں گا۔

✪ ——— اور اسی مقصد کی خاطر ———

میں امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اِسرار احمد سے بعیت کرتا ہوں کہ :

- اُن کا ہر حکم سُنوں گا اور مانوں گا جو شریعت کے دائرے سے باہر نہ ہو۔

——— خواہ تنگی ہو خواہ آسانی

——— خواہ میری طبیعت آمادہ ہو خواہ مجھے اس پر جبر کرنا پڑے، اور

——— خواہ دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی جائے!

- اور یہ کہ نظم کے ذمّہ دار لوگوں سے ہرگز نہیں جھگڑوں گا،
- اور یہ کہ ہر حال میں حق بات ضرور کہوں گا ———

——— اور اللہ کے دین کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کروں گا۔

☐ میں اللہ ہی سے مدد اور توفیق کا طالب ہوں کہ وہ مجھے دین پر استقامت اور اس عہد کے پورا کرنے کی ہمت عطا فرمائے،

نام ___________

پتہ ___________

اللہ توفیق دے
تو کتابیں پڑھیے اور حصولِ ثواب کی نیّت سے دوسروں کو بھی پڑھائیے

رمضان المبارک کی اہمیّت اور فضیلت

سادہ اور عام فہم انداز میں رمضان المبارک کی اہمیّت اور فضیلت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ رمضان میں ذکر و ورد اور شبِ قدر میں نوافل پڑھنے کے طریقے درج ہیں۔ ماہِ رمضان المبارک میں تحفہ دینے کے لیے اچھی کتاب ہے۔

صفحات ۳۲ قیمت -/۴ روپے

آسان راستہ

جو لوگ نماز پڑھنے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن پڑھ نہیں پاتے۔ ان کے لیے بہت موزوں کتاب ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ دعاؤں کا انتخاب بھی دیا گیا ہے۔ تحفہ میں دیئے جانے کے قابل کتاب ہے۔

صفحات ۹۴ قیمت -/۱۵ روپے

سکون کی تلاش

اس کتاب میں انسان کی نفسیاتی ضروریات اور جدید تحقیق کی روشنی میں انسانی مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے پھر قرآن و سُنّت کی روشنی میں ان کا حل تلاش کیا گیا ہے۔ عزیز و اقارب کو بطور تحفہ بھیجیے۔

صفحات ۱۶۰ قیمت -/۲۰ روپے

سیلزمین شپ اور تبلیغ

یہ کتاب کاروباری اداروں کے سیلزمین اور مبلّغینِ دین دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

صفحات ۸۸ قیمت -/۱۴ روپے

تمام شہروں میں ہماری کتب کی فروخت کے لیے ایجنسیاں درکار ہیں

مکتبہ سراج منیر : ۲۸۷/ الف، رحمٰن پورہ۔ لاہور ۱۶

تنظیمِ اسلامی کے لیے مفصّل قواعد و ضوابط اور نئے نظام العمل کی تدوین کے سلسلے میں منعقدہ

مرکزی مجلسِ مشاورت کی رُوداد

(چوہدری) غلام محمد - معتمد عمومی

تنظیم اسلامی کی مجلسِ مشاورت کا ایک خصوصی اجلاس ۲، ۳ مارچ ۸۸ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ پہلی نشست ۲ مارچ بروز بدھ صبح ۹ بجے شروع ہوئی اور نمازِ ظہر تک جاری رہی۔ دوسری نشست اسی روز بعد نماز عصر تا ۱۱ بجے شب منعقد ہوئی۔ دوسرے روز ۳ مارچ کو بھی صبح اور شام دو نشستیں ہوئیں اور رات ۱۱ بجے یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ اس اجلاس میں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے :

۱ - ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب (کراچی) ۲ - جناب شیخ جمیل الرحمٰن صاحب (کراچی)
۳ - ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب (فیصل آباد) ۴ - جناب مختار حسین فاروقی صاحب (جھنگ)
۵ - چوہدری رحمت اللہ بُتّر صاحب (فیصل آباد) ۶ - جناب اقتدار احمد صاحب (لاہور)
۷ - ڈاکٹر عبدالخالق صاحب (لاہور) ۸ - میجر فتح محمد صاحب (لاہور)
۹ - جناب الطاف الرحمٰن صاحب (لاہور) ۱۰ - مرزا محمد ایوب بیگ صاحب (لاہور)
۱۱ - چوہدری محمد اسحٰق صاحب (لاہور) ۱۲ - سید واحد علی رضوی صاحب (کراچی)
۱۳ - ڈاکٹر غلام حیدر ترین صاحب (ملتان) ۱۴ - میاں محمد یوسف صاحب (فیصل آباد)
۱۵ - جناب شمس الحق اعوان صاحب (وزیر آباد) ۱۶ - میاں محمد یعقوب صاحب (گوجرانوالہ)
۱۷ - جناب محمد نیاز مرزا صاحب (راولپنڈی) ۱۸ - راجہ سردار احمد صاحب (پشاور)
۱۹ - جناب قمر سعید قریشی صاحب (لاہور) ۲۰ - جناب عبدالرزاق صاحب (لاہور)
۲۱ - جناب نجیب صدیقی صاحب (سکھر) ۲۲ - جناب اکرام الحق صاحب (کوئٹہ)
۲۳ - جناب غلام مرتضیٰ اعوان صاحب (اسلام آباد) ۲۴ - جناب اشفاق احمد میر صاحب (پشاور)
۲۵ - میاں محمد نعیم صاحب (لاہور) ۲۶ - جناب غلام محمد صاحب (لاہور)

مندرجہ ذیل اراکین مجلس مشاورت شریکِ اجلاس نہ ہوسکے:۔

۱۔ جناب عبدالواحد عاصم صاحب (کراچی) معذرت بوجہ علالت
۲۔ جناب سراج الحق سید صاحب (کراچی) معذرت بوجہ علالت
۳۔ سید برہان علی ہاشمی صاحب (کوئٹہ) معذرت
۴۔ جناب عبدالقادر صاحب (حیدرآباد) بلااطلاع

اس اجلاس میں نظام العمل کی ترتیب و تدوین کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ جناب امیرِ تنظیم نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اس کے پس منظر اور ضرورت کی وضاحت فرمائی۔ گذشتہ اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ میاں محمد نعیم صاحب دوسرے موزوں حضرات کی معاونت سے ڈرافٹ تیار کریں۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق ایک ابتدائی ڈرافٹ تیار کیا گیا، جو امرائے حلقہ اور بعض دیگر چیدہ رفقاء کو غور وخوض کے لیے بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد حسبِ پروگرام ۶ ر ۔ ۷ رفروری کو یہ حضرات قرآن اکیڈمی لاہور میں جمع ہوئے اور باہم غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد نظام العمل کے مختلف حصوں کا ایک نقشہ بنایا گیا جو کہ بعدازاں مزید اصلاح کے لیے امرائے حلقہ کی وساطت سے اراکینِ مشاورت کو بھیج دیا گیا۔ امیرِ محترم نے بھی اس کو سرسری طور پر ملاحظہ فرمایا اور بعض خامیوں کی نشاندہی کی۔ اراکینِ مشاورت کو امیرِ محترم کے اس تبصرہ سے بھی آگاہ کر دیا گیا تھا تاکہ انہیں اس نئے ڈرافٹ پر غور و فکر اور اصلاح کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ اجلاس میں اراکینِ مجلسِ مشاورت نے اس پر اظہارِ خیال کیا۔ کئی پہلو زیرِ بحث آئے۔ زبان اور اسلوب کو قابلِ اصلاح اور مجوزہ مشاورتی نظام اور نگران ادارے کی تفصیلات کو پیچیدہ خیال کیا گیا۔ مختار حسین فاروقی صاحب نے ڈرافٹ کے مجوزہ مشاورتی حصہ کی وضاحت فرمائی۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ اس ڈرافٹ میں بعض بنیادی باتوں کا تصفیہ نہیں کیا گیا۔ نظام العمل کی تیاری کے لئے اوّلاً ان امور کو طے کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد نظام العمل کو مناسب انداز میں احاطۂ تحریر میں لانا مشکل نہ ہوگا۔ ان امور پر اجلاس میں مفصل بحث ہوئی اور مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:۔

۱۔(۱) پاکستان میں تنظیم اسلامی کا نظم آئندہ "تنظیم اسلامی پاکستان" کے عنوان سے قائم ہوگا اور اس میں پاکستان کی شہریت رکھنے والے مسلمان ہی شامل ہوسکیں گے۔

(۲) پاکستان کے جو شہری عارضی طور پر بیرونی ممالک میں قیام پذیر ہوں وہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کی صورت میں براہِ راست "تنظیم اسلامی پاکستان" ہی کے نظم

میں شامل ہوں گے۔

(۳) دنیا کے دوسرے ممالک کے مسلمان شہری بھی تنظیم اسلامی میں شامل ہو سکیں گے البتہ ان کا نظم اور نظام العمل جداگانہ بنایا جائے گا۔

ب۔ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے بیعت کی اساس اگرچہ دس سال قبل اختیار کر لی گئی تھی لیکن فی زمانہ کسی ہیئتِ اجتماعیہ کے لیے اس مسنون اساس کے متروک العمل ہونے کے باعث تنظیم اسلامی کو بھی اس کے عملی تقاضوں سے کامل ہم آہنگی کے ضمن میں تدریجی مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ اسی ضمن میں اگرچہ متعدد فیصلے مختلف اوقات میں کئے جاتے رہے ہیں لیکن ان کو باضابطہ ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ اسی طرح اگرچہ تنظیم کی قراردادِ تاسیس اور اس کی توضیحات میں بعض تاریخی اسباب کی بنا پر فریضۂ اقامتِ دین کی اہمیت اور اس کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے لزوم کے قدرے خفی اور غیر نمایاں ہونے کے پیشِ نظر تنظیم کے آٹھویں سالانہ اجتماع میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ آئندہ تنظیم اسلامی محض اصلاحی اور دعوتی نہیں بلکہ انقلابی تنظیم ہوگی۔ تاہم ابھی تک یہ بات بھی پوری وضاحت کے ساتھ تحریری طور پر سامنے نہیں آئی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان دونوں امور کو مجوزہ نظام العمل میں صراحت کے ساتھ درج کر دیا جائے۔

اس ضمن میں میاں محمد نعیم صاحب نے اس رائے کا اظہار کیا کہ تنظیم اسلامی کے نصب العین کے طور پر رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی کے حصول کا ذکر ضروری ہے۔ بصورت دیگر اندیشہ ہے کہ ہم ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف نہ چلے جائیں اور رفقائے تنظیم کی نگاہوں سے اصل نصب العین اوجھل ہو جائے اور وہ محض سیاسی یا انقلابی کارکن بن کر رہ جائیں۔

بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ:

(۱) جیسا کہ پانچ سال قبل طے کیا گیا تھا تنظیم اسلامی کی قراردادِ تاسیس مع توضیحات اور "شرائطِ شمولیت" پر مشتمل مفصل تحریر کو آئندہ تنظیم کی آئینی و دستوری اساس نہیں بلکہ اس کے دعوتی اور تربیتی لٹریچر کا اہم اور اساسی حصہ سمجھا جائے گا۔

(۲) پانچ سال قبل کے اس فیصلے کی توثیق بھی کی جاتی ہے کہ تنظیم کو انقلابی خطوط پر چلایا جائے گا چنانچہ مجوزہ نظام العمل کی پہلی دفعہ یہ ہوگی:

"تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد قرآن و سنت کی اصطلاح میں اقامتِ

دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ اور عام فہم الفاظ میں "حکومتِ الٰہیہ" کے قیام یا "اسلامی انقلاب" برپا کرنے کے لئے منظم جدوجہد کرنا ہے۔"

(۳) مجوزہ نظام العمل کی دوسری دفعہ حسب ذیل ہوگی۔
"ڈاکٹر اسرار احمد ابن الشیخ مختار احمد المرحوم کو تنظیم اسلامی کے داعی و مؤسس اور تاحیات امیر کی حیثیت حاصل ہے۔ اور ہر وہ مسلمان اس تنظیم میں شامل ہو سکتا ہے جو ان سے تنظیم کے مقصد کے حصول کے لئے سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت کرے۔"

(۴) بیعت کے لئے وہی الفاظ مستعمل رہیں گے جو اس وقت رائج ہیں۔

(۵) تنظیم اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ بحیثیت مجموعی علیٰ حالہ قائم رہے گا۔ یعنی مرکز، مقامی تنظیمیں، اسرہ جات اور منفرد رفقاء ـــــ حلقہ جاتی نظام مرکز ہی کی توسیع شمار ہوگا۔

(۶) خواتین بھی تنظیم اسلامی میں شامل ہو سکیں گی۔ البتہ ان کے لیے بیعت کے الفاظ وہ ہوں گے جو قرآن وحدیث میں "بیعت النساء" کے عنوان سے مذکور ہیں۔ نیز خواتین کا نظم بھی جداگانہ قائم کیا جائے گا۔

ج۔ رفقاء کے مابین درجہ بندی کے موضوع پر مفصل گفتگو ہوئی۔ تین سوالات متعین کر دیے گئے۔ کیا درجہ بندی کی ضرورت ہے؟
اگر ضرورت ہے تو کیا وہ نمایاں ہونی چاہیئے یا مخفی؟
اگر درجہ بندی نمایاں ہونی چاہیئے تو ان مدارج کا کیا نام ہو؟

تمام اراکین مشاورت نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ پانچ حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ درجہ بندی کی ضرورت نہیں۔ آٹھ حضرات نے اس کو ضروری خیال کیا تاہم اس کو نمایاں کرنا خلافِ مصلحت سمجھا۔ تیرہ حضرات نے علی الاعلان درجہ بندی کو ضروری خیال کیا۔ فیصلہ ہوا کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء تین درجات میں منقسم ہوں گے۔

(i) اوّلاً وہ مبتدی رفقاء جو تنظیم اسلامی میں نئے نئے شامل ہوئے ہوں اور ابھی فکری و عملی تربیت کے ابتدائی مراحل طے کر رہے ہوں۔

(ii) ثانیاً وہ رفقاء جو ان ابتدائی مراحل کو طے کر کے تنظیم اسلامی کے نظم کے بالفعل

پابند ہو چکے ہوں۔
(iii) ثالثاً وہ رفقاء جو کسی سبب سے اضمحلال کا شکار ہو جائیں اور نظم کی پابندی نہ کر پائیں۔
—— ان درجات کے نام بعد میں متعیّن کر لیے جائیں گے۔

۵۔ مشاورتی نظام کے بارے میں (مجلس مشاورت منعقدہ ۲۔۳ مارچ ۸۸) کئی نشستوں پر محیط طویل بحث ہوئی۔ جناب مختار حسین فاروقی صاحب اور میاں محمد نعیم صاحب نے نظام العمل کے تیار کردہ سودہ میں مجوزہ مشاورتی نظام کی تشریح میں بتایا کہ پیشِ نظر یہ ہے کہ ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں جن سے تمام رفقاء کو تنظیم اسلامی کے معاملات میں شرکت کا احساس ہو۔ انہیں اظہار رائے کے بھرپور مواقع حاصل ہوں اور ان کی تجاویز، اعتراضات اور اشکالات سامنے آتے رہیں۔ مزید برآں ایک معیّن مجلسِ مشاورت بھی ہو جس میں نامزد ذمہ دار حضرات کے علاوہ منتخب رفقاء بھی شامل ہوں۔ یہ مجلس حسب ضرورت مختلف المیعاد منصوبے بنائے اور ذمہ دار حضرات اس پر عمل درآمد کریں۔ اور یہ مجلس ایک نگران ادارہ کی حیثیت سے فیصلوں پر عمل درآمد کا جائزہ لیتی رہے —— امیر محترم نے ایک اسلامی نظمِ جماعت میں مشاورت کے فلسفے کی تشریح فرمائی کہ بیعت کے نظام پر مبنی جماعتی ہیئت میں اصل دارو مدار امیر کی صوابدید پر ہوتا ہے اور ایسی ہیئت اجتماعیہ میں زیادہ قانونی پیچیدگیوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مشورہ یقیناً بہت اہم ہے لیکن اصلاً یہ امیر کی ضرورت ہے اور اس میں فطری طور پر اوّلیت ان رفقاء کو حاصل ہوگی جو اس کے گردو پیش موجود ہوں اور عملاً اس کے دست و بازو بن گئے ہوں۔ البتہ ایسے مواقع ضرور ہونے چاہئیں جن میں دوسرے مقامات کے صائب الرائے اور ذمہ دار اور معتمد علیہ حضرات سے بھی مشورہ ہو سکے۔ مزید براں اس امر کا بھی پورا اہتمام ہونا چاہیئے کہ تنظیم کی پالیسی اور رفتار کار کے ضمن میں تمام رفقاء کے تاثرات بھی پہنچتے رہیں اور احتساب و تنقید کا بھی فعّال اور مؤثر نظام برقرار رہے! —— ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب نے مشورے کی اہمیت پر مزید زور دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ فیصلے کا اختیار امیر ہی کو حاصل ہوتا ہے تاہم اسے مشورہ کرنے کا پابند ضرور ہونا چاہیئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی اس کا پابند کیا گیا تھا اگرچہ دورِ نبوی میں باقاعدہ مشاورتی ادارہ قائم نہیں ہوا تھا تاہم خلافت راشدہ کے دور میں اس کا بھی اہتمام ہوا اور ہمیشہ کوشش یہ کی گئی کہ فیصلے اتفاق رائے

سے ہوں ـــــ چودھری رحمت اللہ صاحب بُتّر نے مشورے کے لزوم کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ امیر کی ضرورت ہے اسی لئے شریعت نے اس کو پابند کیا ہے اگرچہ مجلسِ مشاورت کی متعین شکل ضروری نہیں۔ قمر سعید قریشی صاحب نے یاد دلایا کہ نظامِ بیعت کے تقاضوں کے تحت ہمارا رُخ اسی جانب رہا ہے کہ بتدریج ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ مشورہ کی ضرورت قریبی اور فعال رفقاء کے حلقے ہی سے پوری ہو جائے۔ میاں محمد نعیم صاحب، جناب شمس الحق اعوان صاحب اور شیخ جمیل الرحمٰن صاحب اور دیگر اکثر اراکینِ مشاورت نے ایک متعین مشاورتی ادارے کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ امیر کے لئے صحیح فیصلہ تک پہنچنے کی مناسب ترین صورت یہی ہے ـــــ امیر محترم نے بالآخر بحث کو سمیٹتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مشورے کی ضرورت اور اہمیت بالکل واضح ہے۔ کسی بھی تحریک کے چلنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے جب تک اس میں روحِ مشورہ پورے طور پر جاری و ساری نہ ہو۔ ہمارے پیشِ نظر بھی اصلاً اس روح کو برقرار رکھنا ہے۔ نظامِ بیعت میں باہمی مشورے کے تقاضے غیر قانونی انداز میں پورے کئے جاتے ہیں ـــــ

اس بحث و تمحیص کے بعد حسبِ ذیل فیصلے کئے گئے۔

(۱) تنظیم اسلامی کے مقاصد کے حصول کے لئے عملی پیش قدمی کے لئے ضروری فیصلے امیرِ تنظیم قریبی رفقاء اور ذمہ دار حضرات کے مشورے سے کرتے رہیں گے اور اس مشاورت میں وہ حسبِ ضرورت امرائے حلقہ، اہم تنظیموں کے امراء اور مشورہ طلب مسئلہ کی مناسبت سے دیگر صائب الرائے رفقاء کو طلب کر سکیں گے۔

(۲) ایک معین مجلس شوریٰ مرکز کے مختلف شعبوں کے ذمہ دار حضرات اور امرائے حلقہ کے علاوہ رفقاءِ تنظیم کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ جس کا اجلاس ایک معین وقفے کے بعد ہونا ضروری ہوگا۔ جس میں اہم امور پر مشورہ ہوگا۔ جس کے ضمن میں بحث و تمحیص کا پورا موقع دیا جائے گا۔ مزید برآں تنقید اور محاسبے کی بھی کھلی آزادی ہوگی۔ اس مجلس کے لئے انتخاب میں صرف وہی رفقاءِ تنظیم رائے دے سکیں گے جو خود نظم کے بالفعل پابند ہوں (بحوالہ فیصلہ 'ج'، مندرجہ بالا)۔

(۳) تنظیم کے جملہ وابستگان کی آراء سے مستفید ہونے کی خاطر ہر سال ایک اجتماع ایسا

منعقد کیا جائے گا جس میں جملہ رفقاءِ تنظیم کو اظہارِ رائے کی پوری آزادی ہوگی۔ اس اجتماع میں امیرِ تنظیم اور مرکز کے ذمہ دار رفقاء صرف بحیثیت سامع شریک ہوں گے اور اس کا اصل مقصد رفقاء کی آراء سے استفادہ ہوگا ـــــ لہٰذا اس میں کوئی بحث و تمحیص، ردّ و قدح نہ مناسب ہوگی نہ ممکن! ـــــ یہ اجتماع کم از کم چار ایام پر محیط ہوگا۔ مزید براں اس میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے ایسے حضرات کو بھی اظہارِ رائے اور حقِ نصیحت ادا کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا جو بالفعل تو تنظیم میں شامل نہ ہوں لیکن تنظیم کے مقاصد سے فی الجملہ اتفاق رکھتے ہوں اور تنظیم کے ساتھ بالفعل ہمدردی کا تعلق رکھتے ہوں ـــ اس نوع کے اجتماعات کا انعقاد تنظیم کی توسیع کی مناسبت سے حسبِ ضرورت اضافی طور پر حلقہ جات کی سطح پر بھی کیا جا سکے گا۔

●●●●●

ہر قسم کے بال بیرنگز کے مرکز

سندھ بیرنگ ایجنسی ۔ ۶۵۔ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز۔ کراچی۔ فون: ۷۲۳۳۵۸، ۷۲۱۱۷۲

خالد ٹریڈرز ۔ بالمقابل کے۔ ایم۔ سی ورکشاپ۔ نشتر روڈ۔ کراچی

فون: ۷۳۵۱۸۲، ۷۳۲۹۵۲، ۷۳۰۵۹۵

بعیتِ خواتین برائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

- اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
- اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا
- اِنِّيْ اُبَايِعُ الدَّكْتُوْرَ اِسْرَار اَحْمَد، اَمِيْرَ التَّنْظِيْمِ الْاِسْلَامِی عَلٰى اَنْ لَّآ اُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا۔

______ وَلَآ اَسْرِقَ

______ وَلَآ اَزْنِيْ

______ وَلَآ اَقْتُلَ اَوْلَادِيْ

______ وَلَآ اٰتِيَ بِبُهْتَانٍ

______ وَلَآ اَعْصِيَهٗ فِيْ مَعْرُوْفٍ

- اَسْئَلُ اللّٰهَ رَبِّيْ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى هٰذَا الْعَهْدِ

التوقیع (دستخط) ______________

- احمدہٗ واصلی علیٰ رسولہ الکریم، امّا بعد
- فقد بایعتُکِ علیٰ سُنّۃِ رسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
- واستغفر اللہ لی ولکِ۔

____

شمولیتِ تنظیمِ اسلامی

● میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکہ و تنہا ہے اور اُس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں ۔

● میں اللہ سے جو میرا مالک اور پروردگار ہے (اپنی سابقہ زندگی کے) تمام گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتی ہوں اور (آئندہ کے لئے) اُس کی جناب میں خلوصِ دل سے توبہ کرتی ہوں (کہ اُس کا کوئی حکم نہ ٹالوں گی)

● میں ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی سے بیعت کرتی ہوں کہ :

____ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤں گی ۔

____ کبھی چوری نہیں کروں گی ۔

____ کبھی بے حیائی کا ارتکاب نہیں کروں گی ۔

____ کبھی بچوں کو قتل نہ کروں گی ۔

____ کبھی بہتان طرازی نہ کروں گی ـــــ اور

____ کسی بھی بھلے کام کے ضمن میں اُن کے حکم سے سرتابی نہ کروں گی ۔

● میں اللہ سے دُعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے اس عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے !

الاسم و العنوان (نام اور پتہ): ________________

____

● اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درود کے بعد :

● میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق آپ کی بیعت قبول کی

● اور میں اللہ سے اپنے اور آپ کے لئے مغفرت کی دُعا کرتا ہوں ۔

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ
ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ، لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

بقیہ : قافلۂ تنظیم منزل بمنزل

لائے تھے کہ اپنی بقیہ زندگی قرآن کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے ـــ ساتھ ہی حضرت نے جمعیت العلماءِ ہند کے ایک کھلے اجلاس میں تجویز پیش کی کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو امام الہند قرار دے کر ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی جائے۔ لیکن چند وجوہ سے حضرت کی یہ تجویز اس اجلاس میں بارآور نہ ہو سکی اور غور و خوض کے لئے مجلسِ شوریٰ کے سپرد کر دی گئی۔ اس اجلاس کے قریباً ۱۰ دنوں کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا۔ (تفصیل کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی تازہ ترین تالیف "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" کا مطالعہ مفید رہے گا۔) مجلسِ شوریٰ میں بھی یہ تجویز پاس نہ ہو سکی۔ چنانچہ مولانا آزاد مرحوم نے علماء کے طرزِ عمل سے بددل اور مایوس ہو کر اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں استخلاصِ وطن کے لئے انڈین نیشنل کانگریس کے لئے وقف کر دیں۔

لیکن مولانا آزاد مرحوم نے جو صدا بلند کی تھی اور جو پکار لگائی تھی وہ رائیگاں نہیں گئی۔ اسی کے اثرات تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نوجوان کو اس کام کے لئے کھڑا کر دیا۔ یہ تھے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور۔ انہوں نے ۱۹۲۸ء میں جب کہ ان کی عمر قریباً ۲۵ برس کی تھی "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی۔ پھر ۱۹۳۲ء سے "ماہنامہ ترجمان القرآن" کا اجراء کیا جس کے ذریعہ سے دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق بالکل نئے انداز اور مضبوط استدلال کے ساتھ ملک کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقے کی تطہیرِ افکار کے کام کا آغاز کیا۔

یہ وہ دور تھا جس میں علماءِ کرام استخلاصِ وطن کی جدوجہد میں انڈین نیشنل کانگریس کے ہم نوا اور اس کے فعال معاون و اعوان تھے اور "متحدہ ہندی قومیت" کے زبردست مؤید اور وکیل تھے ـــ مولانا مودودی مرحوم نے نقلی یعنی کتاب و سنت اور عقلی یعنی عمرانیات کے مسلمات کے دلائل سے "متحدہ قومیت" کے نظریہ پر نہایت مسکت تنقیدیں کیں جس نے مسلمانوں کے ذہین عناصر کو علمی و فکری طور پر متحدہ قومیت کی خطرناکی کا قائل کر لیا۔ دوسری طرف آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم کی قیادت میں مسلم لیگ کوشاں تھی۔ کانگریس میں چونکہ مہاسبھائی ذہن کے حامل ہندو لیڈروں کا تسلط تھا اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ انگریزی سامراج کے ہاتھوں عالمِ اسلام کو جو عظیم نقصان پہنچا ہے اس کے باعث ہندوستان کے صفِ اوّل کے علماء کرام کے دل و دماغ پر انگریز دشمنی اس طرح مسلّط ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی جنگ لڑنے کے بجائے اس برِ عظیم سے

حکومت برطانیہ کا جنازہ جلد از جلد اور ہر قیمت پر نکالنے کو ترجیح دیتے ہیں، اس لئے کانگریس نے مسلم لیگ کے جائز مطالبوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور ان کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ یہ صورتِ حال تھی جس کی وجہ سے مسلم لیگ کو عامۃ المسلمین میں مقبولیت حاصل ہونا شروع ہوئی۔ چونکہ ان کو زندگی کے ہر میدان میں ہندو قوم کی تنگ نظری سے روزانہ واسطہ پڑتا تھا۔ جس سے ہمارے علمارِ کرام قریباً ناواقف تھے ۔ کانگریس کی ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے قائداعظم مرحوم نے علامہ اقبال مرحوم و مغفور کے پیش کردہ مسلمانوں کے ایک جداگانہ ریاست کے تصوّر سے استفادہ کرتے ہوئے مسلم اکثریت کے صوبوں کے لئے آزاد وخودمختار مملکت کا مطالبہ پیش کر دیا جس کے لیے چودھری رحمت علی مرحوم کے تجویز کردہ نام "پاکستان" کو اختیار کر لیا گیا۔ دیکھتے دیکھتے اس مطالبہ نے جنگل کی آگ کی صورت اختیار کر لی اور "مسلم قوم پرستی" نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اسلام کے آفاقی پیغام کو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور "مسلم قوم پرستی" نے یہ خطرناک صورتِ حال اختیار کی کہ مبئی مسلم لیگ کے بعض 'زعمار' کی زبان پہ یہ گلہ بھی آگیا کہ "مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مسلمان طوائفوں کو چھوڑ کر غیر مسلم طوائفوں کی سرپرستی کرتے ہیں جب کہ مسلمان طوائفیں زیادہ حقدار ہیں"؛ یہ روایت بالمعنی ہے۔ صحیح الفاظ دیکھنے ہوں تو سیّد مودودی مرحوم کی "سیاسی کشمکش" حصہ سوم مطبوعہ غیر منقسم ہندوستان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ دریں حالات مولانا مودودی مرحوم نے اس مسلم قوم پرستی کے خلاف ترجمان القرآن میں نہایت مدلّل مضامین تحریر فرمائے اور اس کو بھی اسلام کے حق میں اتنا ہی مہلک و خطرناک قرار دیا جتنا متحدہ قومیت کو دیا تھا اور خالص مسلم قوم پرستی کی خطرناکی کو کتاب و سنّت کی روشنی میں نہایت مضبوط دلائل سے ثابت کیا۔ مزید براں ایک خالص دینی اصولی، صالح جماعت کے قیام پر ضرورت پر اظہارِ خیال کیا اور اپنے ہم خیال حضرات کو اس جماعت کی تشکیل کی پرزور دعوت بھی دی۔ (یہ تمام مضامین 'سیاسی کشمکش' حصہ سوم میں شامل ہیں) کی مولانا مرحوم کی اس دعوتِ حق نے ملک کے چند علمائے کرام، بہت سے مخلص تعلیم یافتہ طبقے کو متاثر کیا۔ چنانچہ مولانا مرحوم کی دعوت پر اللہ کے چند مخلص بندوں پر مشتمل ایک اصولی، اسلامی اور انقلابی قافلہ یعنی ۱۹۴۱ء میں جماعتِ اسلامی کی تاسیس ہوئی جس کے امیر مولانا مودودی مرحوم مقرر ہوئے۔ اس جماعت نے جس مؤمنانہ جرأت و عزیمت کے ساتھ اس دور میں راہِ حق کی طرف پیش قدمی شروع کی جب کہ ایک طرف "متحدہ قومیت" کا نہایت شدّ و مد کے ساتھ پرچار تھا۔ جس کی پشت پر نہ صرف کانگریس کا ہمنوا تمام پریس تھا بلکہ ان علمائے کرام

کی اکثریت کی تائید بھی حاصل تھی جن کو پورے برِعظیم میں نہایت احترام اور قدر و منزلت حاصل تھی اور دوسری طرف مسلم لیگ اور قائداعظم مرحوم کی قیادت میں راس کماری سے درۂ خیبر تک یہ نعرہ گونج رہا تھا کہ "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ"۔ دریں حالات جماعتِ اسلامی تمام وقتی و ہنگامی قومی و سیاسی کشمکش سے اپنا دامن بچا کر اور ہر نوع کے استہزاء و تمسخر کو انگیز کرتے ہوئے اپنی اصولی اسلامی انقلابی دعوت پر مستقیم رہی اور اس نے اصول و حق پسندی کی درخشاں نظائر قائم کیں جس پر جماعتِ اسلامی کو خراجِ تحسین ادا نہ کرنا بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

ملک تقسیم ہوا تو جماعتِ اسلامی بھی لامحالہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ جماعتِ اسلامی کا مرکز چونکہ پٹھان کوٹ ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب میں واقع تھا اور یہ ضلع ہندوستان کو مل گیا تھا لہٰذا جماعت کا اصل مرکز اور مولانا مودودی مرحوم مرکز کے اپنے رفقاء کے ساتھ پاکستان منتقل ہو گئے۔ سنہ ۳۹ء اور سنہ ۴۰ء میں مولانا مرحوم نے نہایت مدلل طور پہ اس حقیقت کا تجزیہ فرمایا تھا۔ ـــ اگرچہ اس میں بڑی شدت اور تلخی تھی مگر تجزیہ صدفی صد صحیح تھا کہ جن 'نسلی مسلمانوں' پر مشتمل (یہ اصطلاح مولانا ہی کی اختیار کردہ ہے) اور جن غیر عملی مسلم لیگی زعماء کی قیادت میں 'پاکستان' وجود میں آ بھی گیا تو ایک مسلم ریاست میں تو اضافہ ہو جائے گا لیکن اسلامی حکومت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا امرِ محال ہے۔ نیم کے درخت کے بیج سے جو لوگ آم کے درخت کی توقع کرتے ہیں وہ جنت الحمقاء میں رہتے ہیں۔ مولانا مرحوم کی یہ بات کتنی سچی تھی وہ بیالیس سالہ پاکستان کی تاریخ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس ملک میں جس کا نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' ہے، آپ کو اسلامی نظام تو درکنار وہ روایتی دین داری بھی ڈھونڈے سے ملے گی جو غیر منقسم ہندوستان میں نظر آتی تھی اور جو اب بھی بھارت میں نظر آتی ہے لیکن کتنی عجیب ستم ظریفی ہے کہ وہی 'نسلی مسلمان' بحیثیت قوم 'حقیقی مسلمان' بن گئے اور پاکستان کے قیام کے قریب چھ ماہ بعد ہی جماعتِ اسلامی کی طرف سے 'دستورِ اسلامی' کا مطالبہ شروع ہو گیا اور توقع ہے کہ لوگوں کے حافظے ... ت ہیں ہوئی ہوگی کہ اس کا آغاز قریباً ان الفاظ سے ہوتا تھا کہ "چونکہ ہم مسلمانوں نے اسلام کے لئے پاکستان بنایا ہے۔ لہٰذا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ......" یہاں لفظ "ہم" قابلِ غور ہے چونکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی مطالبہ پاکستان سے بالکل بے تعلق رہی تھی۔ 'بے تعلق' کا لفظ بطور احتیاط استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کی طرف سے تحریکِ پاکستان کی تائید و حمایت کبھی نہیں ہوئی۔ بہرکیف یہ اتنی خفی تبدیلی تھی کہ کسی نے اس کو محسوس تک نہیں کیا۔

دستورِ اسلامی تو نہ بن سکا البتہ یہ ضرور ہوا کہ باہر سے جماعت اسلامی کے زبردست دباؤ اور اسمبلی میں مسلم لیگ کے ان عناصر کی کوششوں سے جو پاکستان میں واقعی اسلامی دستور کی منظوری کے دل سے خواہاں تھے، جن کی قیادت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو حاصل تھی قریباً دو سال کی جدوجہد کے بعد "قراردادِ مقاصد" منظور ہوئی اور طے پایا کہ پاکستان کے دستور میں اسی کو رہنما اصول کا مقام حاصل ہو گا۔ گویا اس طرح ریاست کی سطح پر کلمۂ شہادت ادا کر لیا گیا۔

ایک طرف اس کامیابی نے جو قراردادِ مقاصد کی منظوری کی شکل میں حاصل ہوئی تھی، دوسری طرف جس طرح نعروں کی بنیاد پر قیامِ پاکستان میں جذبات کا کافی دخیل ہونے کا تجربہ ہو چکا تھا، ان دونوں نے مل کر جماعتِ اسلامی کو اس مغالطے میں مبتلا کر دیا کہ وہ انتخابات کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کر سکتی ہے اور ریاست کے وسائل و ذرائع سے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کر سکتی ہے۔ گویا وہ عوام میں تھوڑا سا تعارف اور کچھ مقبولیت حاصل کرنے کے باعث ان غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئی کہ تطہیرِ افکار اور تعمیرِ کردار کا کام مناسب حد تک ہو چکا ہے چنانچہ انتخابات کے ذریعہ کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی نے تبدیلیٔ قیادت کا نعرہ لگا کر ملکی انتخابات میں عملاً حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ اس کے لئے ایک پنچائتی طریقِ کار وضع کیا گیا اور اسے اس دعویٰ کے ساتھ پیش کیا گیا کہ یہ 'طریق کتاب و سنت' سے قریب تر ہے۔ نیز آزاد امیدوار اور پارٹی ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لینے کو قرآن و حدیث سے دلائل اخذ کر کے انہیں ناجائز ہی نہیں حرام کے درجہ تک پہنچا دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت سیاسی پارٹی ڈیکلیر کر دی گئی۔ نتیجۃً اس کے ارکان کی بہت بڑی تعداد کو حکومتی محکموں سے مستعفی ہونا پڑا۔ چند نے جماعت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس طرح جماعت کے فکر اور دعوت کے لئے حکومت کے محکمہ جات میں جو وسیع میدان موجود تھا وہ بند ہو گیا۔ جماعت کے اکابر اور اس کے فعال ارکان میں سے کسی نے سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا کہ جن اصولوں پر جماعت کا قیام عمل میں آیا تھا، یہ طریقِ کار اس سے انحراف ہے۔ ایک صاحب کی جانب سے اس تبدیلی کی طرف ترجمان القرآن کے ذریعے توجہ دلائی گئی تو جواب دیا گیا کہ ایک شارٹ کٹ نظر آ رہا ہے جس کے ذریعے سے اسلامی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت ہو سکتی ہے اگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو جماعت اس کو چھوڑ کر پھر اپنے اصولی و انقلابی طریقہ کی طرف مراجعت کر لے گی۔ لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی اصولی و انقلابی تحریک اپنے مؤقف کو ترک کر کے وقت سے پہلے انتخابی سیاست میں کود پڑتی ہے تو وہ اپنے خاص مزاج

کی وجہ سے ملکی سیاسیات پر اثر انداز ہونے کے بجائے خود اس کے مزاج میں انفعالی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث وہ نہ انقلابی تحریک رہتی ہے اور نہ اسے بالکلیہ سیاسی جماعت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ وہ نیمے دروں اور نیمے بروں والی کیفیت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نہایت دکھ کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اپنے اصولی و انقلابی نہج سے انحراف کی وجہ سے جماعت اسلامی جہاں نہ حقیقی معنی میں اسلامی انقلابی تحریک رہی نہ وہ بالکلیہ سیاسی جماعت کی پوزیشن حاصل کر سکی۔ اور ۱۹۵۷ء کے بعد سے روز بروز لیلیٰ سیاست کی زلف گرہ گیر میں مبتلا ہو کر اپنے تاسیسی اختیار کردہ اصولوں کی قربانی دیتی اور سیاست کے صحرا تیہہ میں گم ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ جناب جنرل ضیاء الحق صاحب کے مارشل لاء کے دور میں ان کے ساتھ اشتراک کیا کہ یہاں تک اشتراک کیا کہ جماعت نے باقاعدہ اپنے نمائندوں کو وزراء کی حیثیت سے مارشل لاء حکومت میں شامل کرا دیا جب کہ مارشل لاء حکومت کے متعلق جماعت کا مضبوط موقف یہ رہا تھا کہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی دربان مالکِ مکان کو بے دخل کر کے مکان پر قابض ہو جائے۔ کسی دوسری سیاست جماعت نے اس غلطی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ان کے وابستگان میں سے جس کسی نے جنرل صاحب کی حکومت میں شمولیت اختیار کی تو اسے اپنی جماعت کی رکنیت سے علاحدہ کر دیا۔

الغرض جماعتِ اسلامی کی قیادت نے جس راستے کو شارٹ کٹ اور محض وقتی تجربہ کے طور پر اختیار کیا تھا اسے مستقل طور پر اس طور پر اختیار کر لیا کہ اس سے رجوع کرنے کے بجائے اس کی قیادت نے ۱۹۵۷ء میں اپنے صفِ اوّل کے اکابر کو انتخابی سیاست کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔ اس طرح جماعتِ اسلامی کے انتقال و انحرافِ موقف کے باعث پاکستان میں خالص اسلامی انقلابی نہج پر کام کرنے والی کوئی تحریک موجود نہیں رہی۔ علماءِ کرام کا بڑا طبقہ دارالعلوموں میں درس و تدریس میں مشغول رہا۔ اور ایک طبقہ ملک کی انتخابی سیاست میں مصروفِ عمل رہا۔

فروری ۱۹۵۷ء میں جب جماعتِ اسلامی کے سالانہ اجتماع ماچھی گوٹھ نے جماعت کی انقلابی طریق کو چھوڑ کر انتخابی پالیسی اختیار کرنے پر صاد کیا تو اس کے بعد پالیسی کے اس اختلاف سے بددل ہو کر جو اکابر و اصاغر جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہوئے ان میں سے اکثر نے اپنے طور پر اسلامی انقلابی تحریک کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ایک جماعت کی تشکیل کی کوشش کی لیکن

ایک تو کوئی اصولی و انقلابی تحریک برپا کرنے اور اصولی دینی جماعت قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ دوسری اصل بات یہ تھی کہ ابھی ایسی جماعت کا قیام اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی میں طے نہیں تھا لہٰذا ایسی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ البتہ تقریباً ساڑھے دس سال بعد اس کے آثار پیدا ہوئے اور محترم جناب سردار اجمل خاں صاحب لغاری، محترم جناب شیخ حکیم سلطان احمد صاحب اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی باہمی مشاورت اور مساعی کی بدولت اوائل ستمبر ۶۷ء میں رحیم آباد خاں میں قریباً چالیس افراد پر مشتمل ایک اجتماع مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں اکثر و بیشتر وہ حضرات شریک ہوئے تھے جو ۵۷ء ماچھی گوٹھ کے سالانہ اجتماع کے بعد جماعت اسلامی سے اس کی انتخابی سیاسی پالیسی سے اختلاف کے باعث علیحدہ ہوئے تھے اس اجتماع کے لئے ایک قرار دادِ تاسیس اور اس کی توضیحات ڈاکٹر صاحب نے مرتب کی تھیں جن کو کچھ حک و اضافہ کے ساتھ اس اجتماع میں منظور کرلیا گیا تھا تاکہ مجوّزہ ہیئت اجتماعیہ کے اصول و مبادی واضح ہو جائیں اور بعد میں تعبیر میں اختلاف کا زیادہ امکان نہ رہے۔ "تنظیم اسلامی" کے نام سے ایک دینی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ اس مجوزہ تنظیم کا ایک تفصیلی ڈھانچہ، اس کا دستور، اس کے قواعد و ضوابط اور شرائطِ شمولیت کی ترتیب کے لیے سات حضرات پر مشتمل ایک سب کمیٹی بھی تشکیل دے دی گئی تھی جو جماعتِ اسلامی سے مستعفی ہونے والے چھ اکابر اور ڈاکٹر صاحب پر مشتمل تھی۔

لیکن بظاہر بعض دنیوی اسباب کی بنا پر مگر درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے مطابق اس وقت اس دینی تنظیم کے عملاً اور بالفعل قیام کا مرحلہ مقدر نہیں تھا لہٰذا دستور ساز سب کمیٹی کے کسی اجلاس تک کی نوبت نہیں آئی اور یہ معاملہ تعویق ہی میں نہیں پڑا بلکہ ختم ہوگیا۔

(راقم نے یہ سطور ختم ہی کی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب مدظلہ خاکسار کے کمرے میں اس اطلاع کے ساتھ تشریف لائے کہ ابھی فون پر کراچی سے اطلاع ملی ہے کہ سردار اجمل خاں لغاری کا انتقال ہوگیا ہے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ — اور اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے عاجز بندے ڈاکٹر اسرار احمد کو یہ سعادت عطا فرمائی :
یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (آل عمران : ۷۴) کہ موصوف نے اپنی بے بضاعتی کے شعور و ادراک کے باوصف خالصتاً اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسہ پر اور اپنے دینی فرض کے احساس کے پیشِ نظر ۱۹۶۸ء کے اوائل سے لاہور میں چند حلقہ ہائے

مطالعہ قرآن قائم کئے اور ایک منتخب قرآنی نصاب کے ذریعہ سے جس کی بنیاد سورۃ العصر ہے، دعوت رجوع الی القرآن شروع کی تاکہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے ایک ہیئتِ اجتماعیہ کی تشکیل کی راہ ہموار ہو سکے۔ یہ دعوت قریباً ساڑھے چار سال بعد ۱۹۷۲ء میں انفرادی سعی و کوشش کے دائرے سے نکل کر پہلے مرحلہ کے طور پر ایک اجتماعی ادارے "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے تحت منظم ہوئی۔ انجمن کی قرار دادِ تاسیس کی توضیحات میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے حقیقی مؤقف کو بایں الفاظ بیان کیا:

"اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کا خواب امتِ مسلمہ میں 'تجدیدِ ایمان' کی عمومی تحریک کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے لازم ہے کہ اولاً منبع ایمان ویقین یعنی قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی وسیع پیمانے پر نشر واشاعت کی جائے۔"

گویا مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تشکیل دراصل سمع وطاعت کے ٹھیٹھ اسلامی اصول پر مبنی ایک اسلامی جماعت کے قیام وتشکیل کی تمہید تھی۔ ہر کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص وقت مقرر ہوتا ہے چنانچہ ستمبر ۷۴ء کے اجتماع رحیم یار خاں میں "تنظیم اسلامی" کے نام سے جس دینی جماعت کے قیام کے عزم کا بیج زمین میں بویا گیا تھا اس کی کونپل بفضلہٖ تعالیٰ اس طور پر پھوٹی کہ مرکزی انجمن کے زیر اہتمام ایک اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ (منعقدہ یکم جولائی تا ۲۱ جولائی ۱۹۷۴ء جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس وقت تک کے مرتب کردہ 'مطالعۂ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب' کا درس دیا تھا) کے اختتامی اجلاس میں "تنظیم اسلامی" کے قیام کے عزم کا بایں الفاظ اعلان فرمایا:

"اب بہت غور وفکر اور سوچ بچار کے بعد محض اللہ کی تائید وتوفیق پر توکّل اور بھروسہ پر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ میری زندگی میں یہ کام صرف درس وتدریس تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ان شاء اللہ العزیز احیائے اسلام اور غلبۂ دینِ حق ہی عملاً میری زندگی کا اصل مقصود ہوں گے اور میری بہتر اور بیشتر مساعی بالفعل دعوتِ دین اور خلقِ خدا پر دینِ حق کی جانب سے اتمامِ حجت میں صرف ہوں گے۔ گویا " اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "۔ اور اس کی دعوت میں اپنے تمام عزیزوں، دوستوں اور تمام جاننے والوں حتی

کہ بزرگوں تک کو دوں گا اور پھر جو لوگ اس راستے پر ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائیں، انہیں ایک نظم میں منسلک کر کے ایک ہیئت اجتماعیہ تشکیل دوں گا جو ان مقاصدِ عالیہ کے لئے منظم جدّوجہد کر سکے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔"

اس عزمِ تنظیم کے اعلان کے بعد قریباً آٹھ ماہ کا وقت لاہور، کراچی، سکھر اور چند دوسرے مقامات کے دوروں اور حضرات سے تبادلۂ خیال اور مشوروں میں گزرے جو دعوت رجوع الی القرآن سے متاثر ہو کر قریب تر آئے تھے۔ اسی عرصہ کے دوران ڈاکٹر صاحب موصوف حج بیت اللہ اور زیارتِ حرم نبوی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام سے بھی شاد کام ہوئے۔ بعد ازاں ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کو لاہور میں منعقدہ اجتماع میں "تنظیمِ اسلامی" کے نام سے دعوتِ عبادتِ رب اور شہادت علی الناس انظہار دین الحق علی الدین کلّہٖ کے لئے ایک نئی اسلامی جماعت کے قیام کا فیصلہ ہو گیا۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

تنظیم اسلامی کے اس تأسیسی اجتماع منعقدہ ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء میں طے کیا گیا تھا کہ تنظیمی اعتبار سے پہلے تین سال عبوری دور شمار ہوں گے۔ اس دوران مقدور بھر سعی کی جائے گی کہ تنظیم کی دعوت — دعوت تجدیدِ ایمان — توبہ اور تجدیدِ عہد — زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا دی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس میں شامل ہو سکیں۔ اس عرصہ کی تکمیل پر ایسے تمام لوگوں کا ایک عام اجتماع طلب کیا جائے گا جو "تنظیم اسلامی" کے لئے مستقل دستور طے کرے گا۔

تین سال کے عبوری دور کے لئے تأسیسی اجتماع میں ایک عارضی دستور، شرائطِ شمولیت و عہدنامۂ رفاقت بھی منظور کر لیا گیا تھا نیز طے کیا گیا تھا کہ چونکہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ اس کے اصل داعی ہیں لہٰذا تنظیم اسلامی کے مستقل دستور کی تدوین و تصویب تک موصوف ہی کو "تنظیم اسلامی" کے 'داعی عمومی' کی حیثیت حاصل ہو گی اور موصوف اس عبوری دور کی حد تک بغیر کسی متعین و منتخب مجلسِ شوریٰ (یا مشاورت) یا مجلسِ منتظمہ کے " اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ " کے وسیع تر اصول کے تحت تنظیم کے معاملات کو بھی چلائیں گے اور اس کی دعوت کو بھی زیادہ سے زیادہ وسیع حلقے تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

قافلۂ تنظیم منزل بمنزل خالص توفیق، تائید و نصرتِ الٰہی سے تیرہ سالہ زندگی کا سفر کرتا ہوا چودھویں سال میں داخل ہو رہا ہے ــــ راقم کی موجودگی میں تنظیم اسلامی کے قیام کے فیصلے کی اطلاع جب محترم مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کو ڈاکٹر صاحب نے پہنچائی تو مولانا نے فرمایا کہ "عزیزم تم نے ایک بہت بڑی ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے جس کی میں خود اپنے اندر خواہش و ارادہ کے باوجود ہمت نہ کر پایا۔ میں صمیم قلب سے تمہاری کامیابی کے لئے دعاگو ہوں۔ میرے نزدیک فی زمانہ ایک اصولی دینی تحریک برپا کرنا 'مینڈکیوں کی پسیری' تولنے کے مترادف ہے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میں یہی دعا کر سکتا ہوں۔ میرے کسی مشورے کی ضرورت ہو تو تمہارے لئے میرے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔" (روایت بالمعنی) ــــ راقم کو ۱۹۷۱ء کی آخری سہ ماہی سے ڈاکٹر صاحب کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ اس سولہ سالہ زندگی کے تجربہ نے ثابت کر دیا کہ ایک اصولی انقلابی جماعت کی تاسیس اور اس کو چلانے کے لئے صبرِ ایوبی کے ساتھ ساتھ چیتے کے جگر اور شاہین کے تجسس، کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی تب ہی حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کے ساتھ اس راہ میں قدم رکھے۔ بحمد اللہ ڈاکٹر صاحب اس پُرصعوبت راہ میں اسی تبارک و تعالیٰ کی توفیق سے ثابت قدم رہے۔ ۷۷ء میں تنظیم اسلامی کی ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے بیعت مسنون طریق یہ جانتے ہوئے اختیار کیا گیا کہ اس کا اس دور میں ہر جانب طرف سے استہزا و تمسخر ہو گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی سنّت ہے کہ جو کام خلوص و اخلاص سے کیا جائے تو وہ اس میں برکت عطا فرماتا ہے۔ یہ اسی ربِّ کریم کا فضل ہے کہ ۷۵ء میں جو قافلہ ۱۰۳ افراد پر مشتمل ترتیب پایا تھا جس نے ۷۷ء میں بیعت کا نظام اختیار کیا تھا آج بفضلہٖ ایک ہزار سے بھی متجاوز افراد پر مشتمل ہے اور یہ کارواں قدم بقدم رواں دواں ہے۔ بیعت کرنے والے رفقاء میں متوسط درجے کے افراد کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی بھی قابلِ ذکر تعداد شامل ہے

وما النصر الا من عند اللہ

اس اشاعتِ خاص کا عاجز مرتب ۲۴ نومبر ۸۷ء کو لاہور سے چند دنوں کے لئے کراچی کے لئے روانہ ہوا تھا۔ دورانِ سفر ہی میں محسوس ہوا کہ انجائنا کی پرانی تکلیف عود کر رہی ہے۔ کراچی پہنچ کر اس نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ دوسرے ہی دن ہسپتال میں داخل ہونا پڑا اور وہاں سے فارغ

ہو کر قریباً ڈھائی ماہ معالجین کی ہدایت پر بغرض آرام بہت سے مشاغل کو ترک کر کے کراچی ہی میں مقیم رہنا پڑا۔ قریباً سوا تین ماہ کی لاہور سے غیر حاضری کے بعد یکم مارچ ۸۸ء کو اصلاً تنظیم اسلامی کی مجلسِ مشاورت میں شرکت کے لئے اور ثانیاً اپریل کے "میثاق" کے رمضان نمبر کی تیاری کے لئے لاہور حاضر ہوا۔ اس اشاعتِ خاص کے لئے امیرِ محترم کے کراچی کے دورۂ ترجمۂ قرآن (رمضان المبارک ۸۶ء) کے دوران افتتاحی تقریر اور خطباتِ جمعہ کی منتقلی کا کچھ کام کراچی ہی میں کر لیا گیا تھا۔ ارادہ تھا کہ مارچ کے مہینہ میں بقیہ کام کی تکمیل لاہور میں ہو جائے گی اور اللہ کو منظور ہوا تو یہ اشاعتِ خاص یکم اپریل تک شائع ہو جائے گی۔ لیکن ۵ر مارچ کو امیرِ محترم نے ارشاد فرمایا کہ "تنظیم کے تیرھویں سالانہ اجتماع کے موقع پر تنظیم سے متعلق ایک اشاعتِ خاص یکم اپریل تک اور رمضان نمبر وسط اپریل تک شائع کرنے کی کوشش کرو"۔ چنانچہ امیرِ محترم کی اس خواہش کے احترام کے پیشِ نظر اس عاجز نے دونوں کی تیاری کے لئے کام شروع کر دیا۔ جس کا ایک نتیجہ موجودہ نمبر کی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔ اس عاجز کو اعتراف ہے کہ اس نمبر کے لئے جو نقشہ امیرِ محترم نے بیان فرمایا تھا جس کے خطوط ذہن میں تیار بھی ہو گئے تھے۔ اس عاجز کی پورے طور پر طبیعت حاضر نہ ہونے کے باعث اس نقشہ اور ان خطوط پر یہ نمبر تیار نہ ہو سکا۔ تاہم راقم کو توقع ہے کہ اس غیر معیاری شمارے کے مطالعہ سے بھی ان شاء اللہ قارئین کے سامنے تنظیم اسلامی کے اصول و مبادی، خصائص اور اس کا طریقۂ کار کچھ نہ کچھ واضح طور پر سامنے آجائے گا۔ نیز اس کی منزل بمنزل پیش رفت کا بھی تھوڑا بہت اندازہ ہو جائے گا۔

اس نمبر کی تیاری میں اس عاجز کے ساتھ ادارۂ میثاق کے معاون جناب مولانا شیخ رحیم الدین صاحب (رفیقِ تنظیم) نے جو تعاون کیا ہے اس کے لئے خاکسار ان کا ممنون بھی ہے اور ان کے لئے اجر و ثواب کا دعاگو بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بھرپور اعانت حاصل نہ ہوتی تو یہ ضخیم نمبر وقت پر تیار ہونا انتہائی مشکل تھا۔ جزاہُ اللہُ احسن الجزاء

احقر

عبدالرحمٰن عفی عنہ

۲۸ر ۳ر ۸۸ء

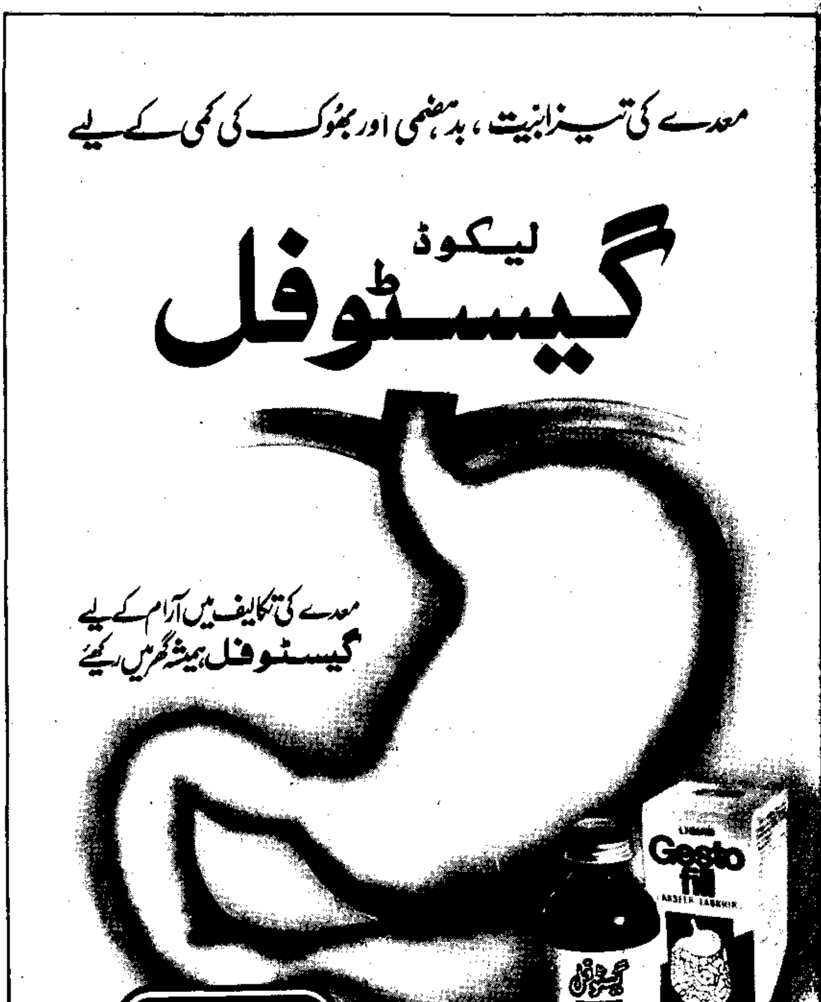

معدے کی تیزابیت ، بدہضمی اور بھوک کی کمی کے لیے
لیکوڈ
گیسٹوفل
معدے کی تکالیف میں آرام کے لیے
گیسٹوفل ہمیشہ گھر میں رکھیے
Gesto fil
قرشی
تحقیق کی روایت ۔ معیار کی ضمانت

قال علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ
خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ
ثَقِيلَتَانِ فِى الْمِيزَانِ
سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ
سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ

حضور علیہ السلام نے فرمایا:
دو بول ایسے ہیں جو اللہ تعالےٰ کو بہت پسند ہیں جو زبان پر بہت آسان،
لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہونگے ——— (اور وہ یہ ہیں)

۱: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ
۲: سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ

عطیہ اشتہار: پاک ٹریکٹر ہاؤس لمیٹڈ
منظور شدہ ڈیلر: مِلّت ٹریکٹرز لمیٹڈ (پاکستان)
سپیلسٹ میسی فرگوسن: ۳۵-X۱۳۵-۲۴۰-۱۶۵-۲۶۵ ٹریکٹر کے جینیون پارٹس کا مرکز
فون دوکان ۲۰۱۱۳۲ ۲-۱۱۱۵
۵۲- جنرل بس سٹینڈ بادامی باغ لاہور
فون رہائش ۸۷۵۵۶۴ ۸۷۱۵۱۹

مولانا سیّد حامد میاںؒ

جذبۂ جہاد سے سرشار ایک عظیم دینی رہنما

محمد سعید الرحمٰن علوی

۲ر مارچ کو دوپہر سے قبل مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ تعالیٰ زندگی میں پہلی بار دل کے شدید حملہ کا شکار ہوکر دوپہر کے لگ بھگ میو ہسپتال پہنچائے گئے..... یہ حادثہ احقر کے علم میں نہ تھا کیوں کہ عوامی رابطہ اور اخبارات کا دیکھنا واجبی سا ہے' بہر طور ۳ر مارچ کو عصر کے بعد مکرم قاری محمد عبدالقیوم صاحب تشریف لائے تاکہ ہسپتال جاکر مولانا کی بیمار پرسی ہو سکے' جب کہ وہ تھوڑی دیر قبل جوار رحمت میں پہنچ چکے تھے اور قاری صاحب کو ابھی علم نہ تھا ابھی ہم کھڑے ہی تھے کہ ایک دوست نے آکر اس عظیم حادثہ کی اطلاع دی جس کے سننے کے لئے ہم ذہنی طور پر تیار نہ تھے..... لیکن ظاہر ہے کہ مشیتِ الٰہی کے سامنے دم مارنے کی بھی گنجائش نہ تھی' زبانوں پر بے اختیار "کلمۂ ترجیع" جاری ہو گیا..... اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ..... ان کی شخصیت' سراپا' خوبیاں اور کمالات آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے اور ہم لوگ مغرب کی نماز پڑھتے ہی جامعہ مدنیہ پہنچ گئے۔ مولانا کا قائم کردہ یہ مدرسہ' اس کے درو دیوار' اس کے اساتذہ و طلبہ سبھی سوگوار تھے۔ غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے' مولانا کے معتقدین' متعلقین اور احباب بھی ٹکڑیوں میں کھڑے پریشانی کا شکار تھے..... جمعیت علماء اسلام..... جس کے ایک دھڑے کے مولانا امیر تھے..... اس کے دوسرے دھڑے کی اگلی صبح مینار پاکستان پر کانفرنس تھی' اس لئے اس کے صوبائی اور مرکزی قائدین لاہور میں تھے' بلکہ اجلاس ہو رہا تھا جب یہ حادثہ ان حضرات کے علم میں آیا' وہ سبھی لوگ اجلاس ملتوی کر کے جامعہ مدنیہ پہنچے' تعزیت کی' غم کو ذاتی غم سمجھ کر پریشان حال واپس لوٹے..... اگلی صبح (۴ر مارچ جمعہ کا مبارک دن) یونیورسٹی گراؤنڈ میں مولانا کا جنازہ ہوا۔ اس گراؤنڈ نے بڑے جنازے دیکھے ہیں..... ہم نے اس میں پہلا جنازہ حضرت مولانا احمد علی کا دیکھا۔ وہ مردِ درویش جو تن تنہا لاہور آیا تھا..... اس کا جنازہ نہیں تھا' پورا لاہور سوگوار تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ لاہور کی بالغ آبادی کا ہر دوسرا فرد گھر سے نکل آیا ہے' زندگی میں ان سے اختلاف رکھنے والے

بھی اشکبار تھے' پھر اس گراؤنڈ میں خاندان غزنویہ کے گلِ سرسبد ابو بکر غزنوی کا جنازہ مولانا عبیداللہ انور کی معیت میں پڑھا..... پھر خود مولانا کا جنازہ پڑھا اور آج سید صاحب کا جنازہ تھا..... آہ ثم آہ..... اہلِ علم' اہلِ دل اور اہلِ صلاح دنیا سے جا رہے ہیں..... اب اس دھرتی کی پیٹھ پر اکثریت ان کی ہے جو بقول کسے "مکھی چوس" ہیں ؎

"داتا داتا مر گئے' پیچھے رہ گئے مکھی چوس" (پنجابی) اہل علم کا اٹھنا تو بڑا ہی صدمہ ہے..... اللہ تعالیٰ کے آخری نبی علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اہلِ علم کے اٹھ جانے کو زوالِ علم سے تعبیر فرمایا' جس کے بعد جہلاء کا دور ہو گا جو بِن جانے بُوجھے فتوے دے کر اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے..... سید صاحب لاہور کی بزم علم کے ایک دمکتے موتی اور گوہر شب چراغ تھے۔ دیوبند..... وہی دیوبند جس کی خاک پاک سے گزرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی اور امیر سید احمد شہید رحمہما اللہ تعالیٰ کو علم کی خوشبو آئی تھی..... وہی دیوبند جو شریف خانوادوں کا گہوارہ ہے..... جس پر ۱۸۵۷ء کے بعد چند نفوسِ قدسیہ نے اعتماد علی اللہ کی دولت سے سرشار' غریب عوام کے تعاون سے ایک مدرسہ علمی کی شکل میں ایک علمی تحریک بپا کی..... اسی دیوبند کی دھرتی پر سید صاحب پیدا ہوئے..... تقسیم ہند سے لگ بھگ ۲۱ر ۲۰ برس قبل..... والد گرامی مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ تعالیٰ تھے..... عالم با عمل' صاحب تقویٰ و صلاح' امام العصر مولانا سید انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد عزیز' شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی' مولانا سید سجاد بہاری' مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی' مولانا احمد سعید دہلوی' مولانا نور الدین بہاری۔ مولانا معین الدین اجمیری' مولانا نثار کان پوری' مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا داؤد غزنوی' اور مولانا حفظ الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کے قافلہ کے فرد..... مجاہد جماعت' جمعیت علماء ہند کے ناظم اور متعدد علمی اور تاریخی کتابوں کے کامیاب مصنف و مؤلف..... انہی مولانا محمد میاں کے گھر سید حامد میاں پیدا ہوئے..... گویا علمی' دینی اور مجاہد گھرانے سے ان کا خمیر اٹھا..... ظاہر ہے کہ ان کے علم کی تکمیل دیوبند میں ہی ہونا تھی..... سو وہی ہوئی۔ مولانا سید حسین احمد ان کے استاذ حدیث تھے' مولانا کے فرزند گرامی مولانا اسعد مدنی' مولانا عبیداللہ انور' مولانا عبیداللہ (جامعہ اشرفیہ) ایسے حضرات ان کے رفیقِ درس و ہم سبق تھے۔ سلوک کی بیعت بھی مولانا مدنی سے تھی اور خوش قسمتی سے سلوک میں ان کے مجاز بھی تھے..... مجاہد علماء کی ایک اور یادگار مولانا عبدالحق مدنی مراد آبادی رحمہ اللہ تعالےٰ سے مولانا کو نسبت فرزندی حاصل تھی کہ آپ کی بڑی اہلیہ محترمہ (آپ کے جانشین برادر عزیز سید رشید میاں سلمہ

اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ ان کی صاحب زادی ہیں..... ان متعدد نسبتوں نے انہیں عجیب سانچہ میں ڈھال دیا تھا..... علم تھا تو پختہ' تدریس کا ملکہ تھا تو خوب' گفتگو تھی تو اس میں ٹھہراؤ' دھیما پن اور استدلال کی قوت' وضع داری' رکھ رکھاؤ۔ اگلے وقتوں کی شرافت' ان میں خوب خوب تھی..... تقسیم ملک کے بعد پاکستان آنے پر جس قسم کی کٹھن' پُر مشقت اور مشکلات سے بھری زندگی سے ان کو دوچار ہونا پڑا' اس کی وجہ سے عزم' ہمت' حوصلہ اور استقامت ان میں خوب پیدا ہو گیا تھا اور اب حال یہ تھا کہ گہرے غور و فکر' تدبر اور سوچ و بچار کے بعد جو رائے قائم کر لیتے' اس سے انہیں ہٹانا ممکن نہ تھا۔

لاہور میں آئے تو جامعہ اشرفیہ سے تدریسی رابطہ ہو گیا..... جامعہ کے عظیم بانی مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ تو ٹیکسلا کے قریب کے ایک قصبہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن مدت سے امرتسر میں علم و عرفان کی تقسیم کے بعد مہاجرت کی زندگی اختیار کرنا پڑی' مسلم لیگی حلقوں سے گہرے روابط کے سبب خدمتِ دین کے لئے نیلا گنبد کے معروف علاقہ کی ایک عظیم الشان عمارت متروکہ اوقاف سے میسر آ گئی تو مسندِ علم بچھا کر بیٹھ گئے۔ جلیل القدر اساتذہ کی کھیپ میسر آئی' جامعہ ابتداہی میں چمکنے لگا' ان اساتذہ میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محدث و مفسر بھی تھے جو سید حامد میاں صاحب کے استاد بھی تھے۔ سید صاحب نے کچھ عرصہ تدریس کی لیکن بالآخر علیحدگی اختیار کرنا پڑی کہ ان کا سیاسی ذوق و مسلک اربابِ جامعہ سے مختلف تھا' اس اور دوسرے اسباب نے علیحدگی پر مجبور کیا۔ پھر مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے مسلم مسجد چوک انار کلی کا دور آیا' اس مسجد پر سید صاحب کے وجود سے بہار رہی۔ تراویح میں وہ قرآن سناتے' حدیث کا درس ہوتا قرآن و سنت کے طلبہ اور متلاشیانِ حق کھنچے چلے آتے قرآن پڑھنے میں سوز و گداز تھا' درس میں علم کے چشمے ابلتے' زبان صاف اور شیریں' افہام و تفہیم کا ملکہ خداداد' ہر طرف ان کے چرچے ہونے لگے۔ موجودہ نعمت کدہ ہوٹل کے مالک اور بعض دوسرے حضرات ان کے خاص اہلِ تعلق میں سے تھے پھر جب ان کی کاوشوں سے اس مسجد میں حکمت قاسمیہ کے وارث مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریریں ہوئیں تو بدعات و رسومات کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے اس شہر میں ہلچل مچ گئی' مدتوں سے پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں' علماءِ حق کے خلاف پروپیگنڈا چھٹنے لگا..... انہی حضرات کی کاوشوں سے کریم پارک کا وہ قطعۂ زمین فراہم ہوا جس پر اب جامعہ مدنیہ قائم ہے.....

حضرت الامام مولانا محمد عبداللہ درخواستی زید مجدہم نے اس ادارہ کا سنگ بنیاد رکھا' انہیں

مولانا سے بہت تعلق تھا اور مولانا ان کا جی جان سے احترام کرتے...... سبب یہ تھا کہ مولانا درخواستی قافلۂ حریت کے حدی خواں تھے...... قدیم سے علمی' روحانی اور مجاہدانہ روابط تھے...... یہ سلسلۂ تعلقات مدتوں قائم رہا جس کے درمیان "سیاست" نے بالآخر لکیر کھینچ دی...... فیاحسرتا! تاہم حضرت درخواستی مولانا کے جنازہ میں شریک ہوئے اور مولانا کے فرزند عزیزی رشید میاں کے لئے رومال بھیج کر اور دعائیں دے کر اپنی عظمت و بڑائی کا سکہ منوایا...... حضرت مولانا احمد علی جب تک حیات رہے' وہ غایت درجہ مولانا کی سرپرستی فرماتے۔ جامعہ اشرفیہ سے علیحدگی کے بعد مولانا لاہوری کے دست شفقت نے مولانا کو سہارا دیا اور ایک موقع پر لاہور کے ایک دینی لیکن سرمایہ دار خاندان کے شدید حملہ سے آڑے بنے تو مولانا لاہوری" ...... وہ اپنے تینوں فرزندوں کے ساتھ چوتھا فرزند سید صاحب کو شمار کرتے......

احقر نے مولانا عبید اللہ انور اور سید صاحب کے مابین محبت و تعلق کی کئی یادگار محفلیں دیکھیں افسوس کہ پاکستانی سیاست نے اس رشتۂ محبت و تعلق کو بھی درہم برہم کر دیا...... کریم پارک میں جامعہ مدنیہ کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب یہ علاقہ گویا جنگل اور دلدل تھا لیکن سید صاحب کے حوصلہ' مولانا درخواستی کی سرپرستی اور مخلص رفقاء کے تعاون نے جنگل میں منگل کی کہاوت سچ کر دکھائی۔ اب جامعہ ایک خوبصورت مدرسہ کی شکل میں موجود ہے وقت کے اکابر نے اس کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازا۔ عظیم اساتذہ نے تدریس کے فرائض انجام دیئے' دے رہے ہیں' لاتعداد طلبہ نے کسب فیض کیا اور خود سید صاحب نے بخاری شریف جیسی کتاب کا بار بار درس دے کر' نہ معلوم کتنی بار اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا ہو گا اور کتنی بار انہیں درود شریف پڑھنے کی سعادت میسر آئی ہو گی۔

"ایں سعادت بزورِ بازو نیست' تانہ بخشد خدائے بخشندہ"۔ مولانا کا خاندانی تعلق جیسا کہ عرض کیا ایسے گھرانے سے تھا جو علم و فضل کا مالک ہونے کے ساتھ مجاہد بھی تھا پھر ایسے اساتذہ سے واسطہ پڑا جو میدانِ جہاد کے سپاہی نہیں قائد و رہنما تھے...... اس لئے جذباتِ حریت اور جذبہ جدوجہد ان میں ظاہر ہے کہ موجود تھا' اسی لئے وہ پاکستان میں اہل حق کے وارثوں (جو افسوس کہ باہمی نزاعات سے اپنی طاقت برابر کمزور کر رہے ہیں) سے متعلق رہے یعنی علماء اسلام سے ان کی دلچسپی رہی' ایک طویل عرصہ جمعیت کے مرکزی خازن رہے' اہم معاملات میں صائب مشورہ دینا اور حوادث و مصائب میں ڈھارس بندھانا انہی کا کام تھا' وہ حضرت شیخ

الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرز پر انقلابی عمل کے قدر دان تھے ہی' اسی انداز سے کام کرنے کے بھی خواہش مند تھے...... ایک دور میں جب کہ احقران سے اور جمعیت کے بزرگوں سے بہت قریب تھا' انہوں نے مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ میں جمعیت کے بزرگوں کو اس رخ سے کام کرنے کی درخواست کروں۔ امارت کے لئے بھاگ دوڑ اور جماعتی سطح پر شرعی عدالتوں کا قیام ایسے منصوبے فی الحقیقت اسی جذبہ کی صدائے بازگشت تھی جو افسوس کہ ملک کے بگڑتے ہوئے حالات' اور روایتی جمہوری جدوجہد کی نذر ہو کر رہ گئے...... ۱۹۷۷ء کے انتخابات اور پھر تحریک کے زمانہ میں انہوں نے اپنے مرکز میں قائم رہ کر خاصی خدمات سرانجام دیں' تحریک کا نتیجہ مارشل لاء کی شکل میں سامنے آیا تو قومی اتحاد تتر بتر ہو گیا۔ مولانا نورانی اور اصغر خان اپنی جماعتوں سمیت الگ ہو گئے پیر پگاڑا کی مسلم لیگ بِن پوچھے حکومت میں شریک ہو گئی۔ اس کی تقلید کرتے ہوئے ما بقی اتحاد بھی شامل ہو گیا جس کا مجھ سمیت بعض لوگوں کو شدید صدمہ تھا اور مجھے مسرت ہے کہ حضرت میاں عبدالہادی صاحب دین پوری رحمہ اللہ تعالیٰ ہم جیسے کمزور لوگوں کے حمایتی تھے اور اس قدم کو ناپسند فرماتے...... بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد ضیاء الحق کو سول وزراء کی غالباً ضرورت نہ رہی اس لئے سول وزراء الگ ہو گئے یا کر دیئے گئے تو سیاسی قوتوں نے ایک نئے اتحاد کی نیو اٹھانا شروع کی' اسی مرحلہ پر مولانا مفتی محمود انتقال کر گئے تو جمعیت علماء اسلام اختلاف کا شکار ہو کر رہ گئی' مولانا سید حامد میاں ان لوگوں کے حامی تھے جو پاکستان پیپلز پارٹی کو ساتھ لے کر چلنے کے خواہش مند تھے...... جیسے تیسے پی۔ پی کو ساتھ لے لیا گیا لیکن جمعیت دو حصوں میں بٹ گئی سید صاحب والے حصے کے امیر مولانا سراج احمد دین پوری قرار پائے اور پھر سید صاحب اس منصب پر فائز ہوئے اور وفات تک اس منصب پر فائز تھے...... یہ بات تسلیم ہے کہ اس دوران انہوں نے خاصی ہمت کا مظاہرہ کیا۔ ایم۔ آر۔ ڈی اور اہل سیاست کے لئے ان کا مدرسہ ہی سب کچھ تھا۔ اجتماع' اجلاس جو ہوا یہاں ہوا اور مولانا نے اس سلسلہ میں ہر صعوبت برداشت کی......

عوامی سطح پر مدرسہ کی معاونت کے سلسلہ میں انہیں بہت سی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا لیکن انہوں نے طے شدہ نظم کو اپنایا کچھ عرصہ قبل انہوں نے رائے ونڈ روڈ پر تبلیغی جماعت کے عالمی اجتماع گاہ کے عین سامنے مین روڈ پر وسیع قطعہ اراضی حاصل کیا۔ جہاں ایک عظیم الشان ادارہ بنانے کا عزم تھا ابتدائی درجہ کا مکتب شروع بھی ہے وہ تو اب اس دنیا میں نہیں لیکن امید ہے کہ ان کے ورثا' اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے' اس مرحلہ سے سرخرو نکلیں گے اس وقت دو

مسائل بڑی اہم نوعیت کے ہیں..... ایک جمعیت میں ان کے جانشین کا مسئلہ' دوسرے مدرسہ کے معاملات 'جمعیت نے عارضی طور پر یہ ذمہ داری مولانا عبدالکریم آف بیرلاڑ کانہ کے سپرد کی ہے جو نائب امیر اول تھے' چند ماہ میں دستوری طور پر نیا انتخاب ہو گا..... اللہ تعالیٰ بہتری کی سبیل پیدا کر دے جب کہ مدرسہ کے سلسلہ میں جو مولانا کی گویا اصل کمائی تھی..... حضرت مولانا خان محمد مجددی نقش بندی کو سرپرست اور عزیزی رشید میاں کو امیر اور سید محمود میاں کو نائب امیر بنایا گیا ہے۔ ماشاء اللہ دونوں بھائی عالم ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں جملہ بہن بھائیوں سمیت محبت باہمی کی دولت سرمدی سے نوازے' ہمت و حوصلہ دے تاکہ وہ اپنے جلیل المرتبت باپ کی اس محنت کو اس کے شایان شان طریق سے نہ صرف سنبھالے رکھیں بلکہ آگے بڑھائیں مولانا کے رفقاء' معاونین اور مخلصین پر اب زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ادارہ کے لئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کریں..... محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے مولانا کے تعلق خاطر سے ایک دنیا واقف ہے ایک موقعہ پر لاہور کے بعض علماء نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف انتہاپسندانہ اقدامات کے لئے بھاگ دوڑ کی تو مولانا نے اپنے تدبر اور سلامتی طبع سے اس کو ناکام بنایا جو اہل علم کی شان ہے.... امید ہے کہ یہ تعلق بھی اسی انداز سے قائم رہے گا اور مولانا سے وابستگی کے بعض مدعی لاطائل اور بے مقصد مضمون نویسی کے بجائے امت و ملت کی اجتماعی بہتری کے لئے کوشاں ہوں گے..... رب العزت مولانا کو عظیم درجات سے نوازے ع

ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

شعبہ بیرون قرآن اکیڈمی سرائے
36/16/4

پاکستان کی
کھلی فضاؤں میں
اذانوں کی گونج
ہمارے نوجوان نسل کی
کے آئینہ دار

عَنْ
سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

فَوَاللّٰہِ لَاَنْ یَّہْدِیَ
بِکَ رَجُلٌ وَّاحِدٌ خَیْرٌ
لَکَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ

صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ۱۰۲

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا) بخدا، اگر اللہ تمہاری وجہ سے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

عطیہ اشتہار: ٹریکٹر کارپوریشن

جینون پارٹس برائے فیئٹ ٹریکٹرز

فون دوکان ۲۰۳۴۱۶ ۲۰۱۱۱۶

۵۲- بادامی باغ - لاہور

فون رہائش ۸۷۵۵۶۴ ۸۰۱۵۱۹

Dealer AL-GHAZI TRACTORS LTD.

Fiat Trattori

FIAT

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیوٹ) لمیٹڈ

(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور

۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ۔ لاہور، پاکستان

فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ

شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ
صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ
قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ
شُغْلِكَ وَحَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، اور تونگری کو فقیری سے پہلے، فراغ البالی کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

عطیہ اشتہار:

پاک آٹو کارپوریشن

امپورٹرز اینڈ ہول سیل ڈیلر برائے روسی بائیلارس و فیٹ ٹریکٹر سپیئر پارٹس

۶۸ - بادامی باغ - لاہور نمبر ۶

فون آفس: ۲۰۱۴۱۲ - ۲۰۰۱۷۰ فون رہائش: ۳۳-۷۶۹

PAK AUTO CORPORATION
PAC

Fiat Trattori
FIAT

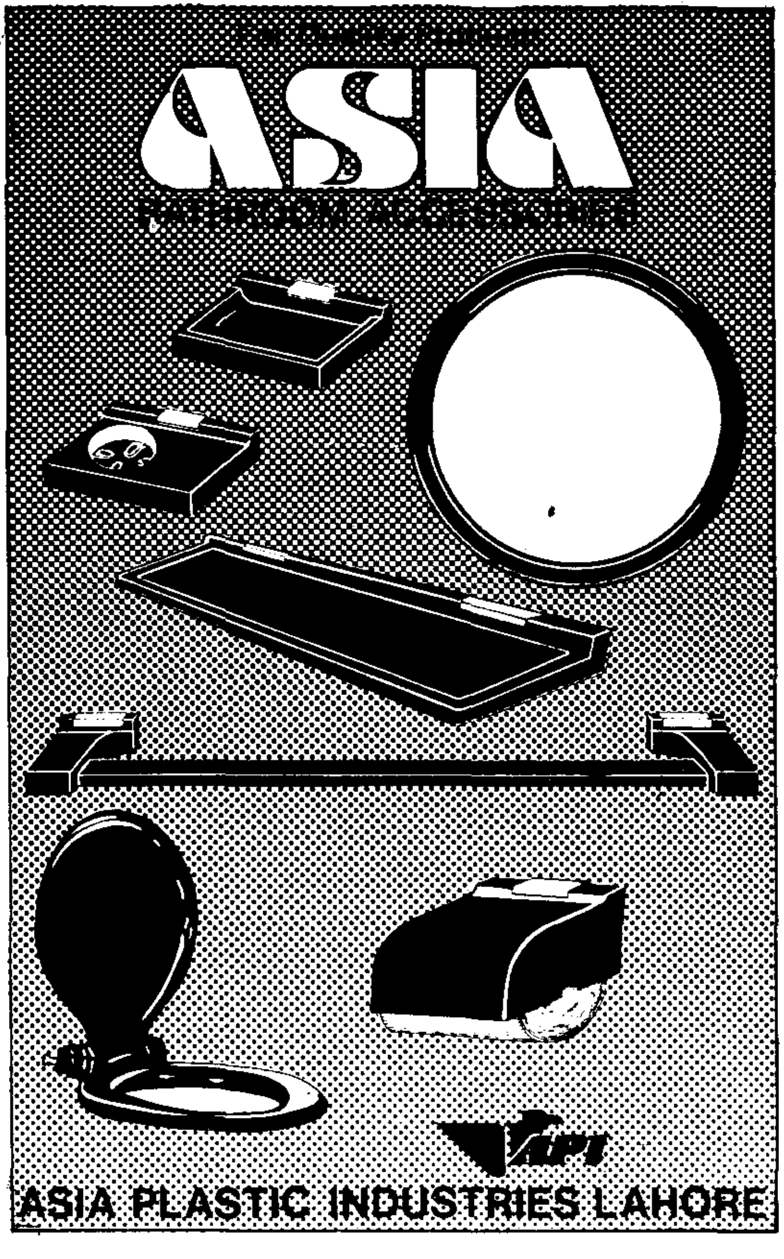
ASIA
API
ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE

فون : ۲۰۲۱۶۶

آصف آٹوز

AA

امپورٹر: ہوز کلمپ آئل گیج ٹمپریچر گیج ہارن اینڈ شو لائٹ چائنہ

۶ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور

ہول سیل ڈیلر : اے ون آٹو کیبلز

ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور — خطبۂ نکاح — کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور ،

ہدیہ : ۴ روپے ——— محصول ڈاک علاوہ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

عطیہ اشتہار: **حافظ ٹریکٹرز**

فلٹر کی دنیا میں ایک نئے فلٹر کا اضافہ **لکی سپر فلٹر**

۴۷۔ ایل۔ایم۔سی مارکیٹ، بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۲۹۳۰۰

اِن شاءَ اللہُ العزیز

ماہنامہ **"میثاق"** کا آئندہ شمارہ

رمضان المبارک کی مناسبت سے

ایک خصوصی نمبر پر مشتمل ہوگا

جس میں علاوہ دیگر مضامین کے

فضیلتِ ماہِ رمضان سے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی چار تقاریر شاملِ اشاعت کی جائیں گی

رمضان المبارک
کا
بہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر
قرآنِ مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے۔

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور اب سندھی زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوق اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے۔

فہمِ قرآن

اور

خصوصاً قرآن کے منضبط اور مربوط مطالعہ کے ضمن میں —

ڈاکٹر اسرار احمد

کی نشری (ریڈیو) تقاریر پر مبنی ایک اہم تصنیف

قرآن مجید کی سورتوں کا اجمالی تجزیّہ

(سورہ الفاتحہ تا سورہ الکہف)

ضرور مطالعہ کیجیے

◎

اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ کتابت ○ دیدہ زیب طباعت

ہدیہ : ۱۲ روپے

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں "احیائے اسلام" کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعتِ شیخ الہند رح اور تنظیمِ اسلامی

- ابوالکلام امام الہند کیوں نہ بن سکے ــ ؟
- 'حزب اللہ' اور 'دارالارشاد' قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا "عبقریٔ وقت" کانگرس کی نذر کیوں ہو گیا!
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں ؟
- کیا 'اقامتِ دین' کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے !
- حضرت شیخ الہند رح کیا کیا حسرتیں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ؟
- علماء کرام اب بھی 'متحد' ہو جائیں تو

'اسلامی انقلاب' کی منزل دُور نہیں !

❖ فرائض دینی کا جامع تصور ❖ رجم ❖ عورت کی دیت ، اور دیگر مسائل پر ڈاکٹر اسرار احمد کی معرکۃ الآرا تحریروں اور خطبات کے علاوہ مورخِ اسلام مولانا سعید احمد اکبرآبادی ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری ، مولانا افتخار احمد فریدی ، مہاجر کابل قاری حمید انصاری ، پروفیسر محمد اسلم ، مولانا محمد منظور نعمانی ، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی ، مولانا محمد زکریا ، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماء کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے مبسوط مقدمے کے ساتھ

● ضخامت ۴۵۶ صفحات (نیوز پرنٹ) ● قیمت -/۴۰ روپے

'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' کے مستقل خریداروں کو یہ کتاب ۲۵ فیصد رعایت پر مبلغ -/۳۰ روپے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پیش کی جائے گی ۔ ڈاک خرچ ادارے کے ذمے ہوگا ۔

نوٹ : کتاب چھپ کر آگئی ہے ۔ کراچی کے خریدارانِ 'میثاق' و 'حکمت قرآن' یہ کتاب کراچی آفس (۱۰۱ داؤد منزل نزد آرام باغ ، شاہراہ لیاقت) سے بارعایت حاصل کر سکتے ہیں ۔

ملنے کا پتہ :

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد ـــــ اور
بعثتِ محمدی کی تمامی و تکمیلی شان ـــــ نیز
انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ـــــ

ایسے اہم موضوعات پر:

ـــــ ڈاکٹر اسرار احمد ـــــ
کی
حد درجہ جامع تصنیف

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

کا مطالعہ کیجئے

اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ طباعت ○ قیمت فی نسخہ ۱۲ روپے

مرکزی انجمن خدام القرآن ○ ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور

Jawad®
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

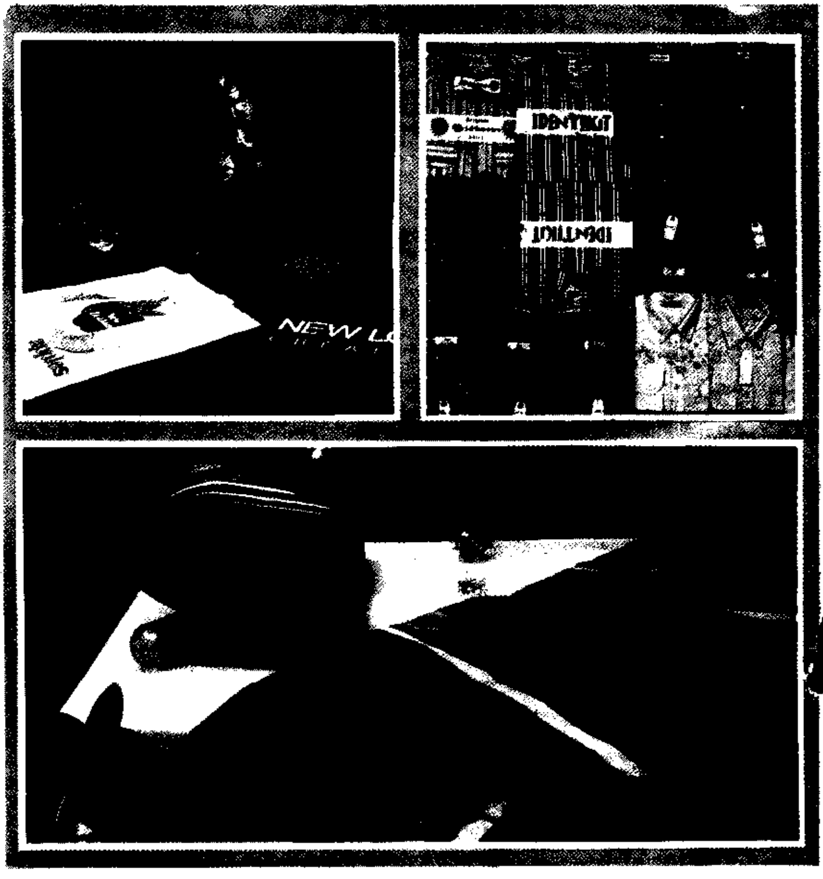

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 37 No. 4
APRIL 1988

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ
عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۃ الصّف)

وہی (اللہ) ہے جس نے کہ بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ (یعنی قرآن حکیم) اور دینِ حق کے
ساتھ تاکہ وہ اُس کو غالب کر دے پورے کے پورے دین پر، خواہ ناپسند کریں مشرک۔

تنظیمِ اسلامی

نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ
بلکہ ایک
اسلامی انقلابی جماعت ہے

جو سب سے پہلے پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں
اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم اور غالب کرنا چاہتی ہے

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو۔ لاہور